نشتر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گریزد از صفِ ما ہر کہ مردِ غوغا نیست
کسیکہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست نظیریؒ

نغمۂ زندگی

اثر

ابو نعیم عبدالحکیم خاں نشتر جالندھریؔ

سنہ ۱۹۳۳ء

طبعِ اوّل

قیمت عہ مجلد عہ

نذر

میں اپنے ناچیز مجموعۂ کلام "نغمۂ زندگی" کو دنیائے اسلام کے سب سے بڑے شاعر فخرِ ایشیا حضرت علّامہ سر اقبال مدظلۂ العالی کی خدمتِ گرامی میں ہدیۂ حقیر کے طور پر پیش کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں ۔

خاکسار
نشتر

آئندہ اوراق میں جو کچھ قارئینِ کرام ملاحظہ فرمائیں گے وہ میرے
ان اشعار کا مجموعہ ہے۔ جو میں صرف اپنے لئے اور اپنے ذوقِ طبیعت
کی خاطر سامانِ تسکین بہم پہنچانے کی غرض سے وقتاً فوقتاً کہتا رہا ہوں۔
اُس وقت یہ بات میرے تصوّر میں بھی نہیں تھی۔ کہ یہ منتشر خیالات کبھی منظم
و مرتّب صورت میں شائع ہوں گے۔ لیکن اب محض احباب کی خواہش کے
پیشِ نظر بلکہ ان کے اصرار آمیز ارشاد کی تعمیل میں یہ ناچیز کلام ملک کے
سامنے پیش کر رہا ہوں۔ اگر اس نے اربابِ ذوقِ سلیم کی نکتہ رس نگاہوں
کو اپنے اندر جذب کر لیا۔ تو میں اسے اپنی بہت بڑی سعادت سمجھوں گا+

سخت ناسپاسی ہوگی۔ اگر میں وحید العصر انشا پرداز اور مبصرِ
ادب و شعر حضرت مولانا غلام رسول صاحب مہر بی۔ اے مالک و مدیر
روزنامۂ "انقلاب" کی خدمتِ عالی میں خلوصِ دل سے ہدایائے تشکر
پیش نہ کروں۔ جنھوں نے انتہائی مصروفیت کے باوجود میری عرضِ نیاز
کو شرفِ قبولیت بخش کر ایک نادر الاسلوب۔ فاضلانہ اور بصیرت افروز
مقدمہ تحریر فرمایا۔

خلیفہ محمد حسن صاحب خوش نویس کا شکریہ ادا کرنا بھی میں اپنا فرض
سمجھتا ہوں جنھوں نے "نغمۂ زندگی" کو زیورِ کتابت سے آراستہ کر کے
اُس کے ظاہری حسن میں چار چاند لگا دیئے۔

نشتر

فہرستِ مندرجات

نشتر جالندھری

مقدّمہ

از

حضرت مولانا غلام رسول صاحب مہر بی۔ اے

مالک و مدیر روزنامۂ "انقلاب" لاہور

حکایت از قدِ آں یارِ دل نواز کنیم

بہ ایں فسانہ مگر عمرِ خود دراز کنیم

نشتر کے ساتھ تعلّقات پیدا ہوئے کم و بیش بیس برس گزر چکے ہیں۔ جبکہ یہ محض "عبدالحکیم خاں" تھے۔ نشتر نہ تھے۔ اس وقت میرے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ زمانے کا اقتضاء ربع صدی کے اندر اندر انھیں

شعر و ادب کی دُنیا میں ایک ممتاز مقام پر پہنچا دے گا۔ اور مجھے دیرینہ تعلقات کی بنا پر سیاسیات کی خشک۔ بے کیف اور ادبیت سوز کشمکش گاہ سے کھینچ کران کے کلام کا مقدمہ لکھنے کی خدمت سونپی جائے گی +

مجھے اب تک یاد ہے کہ میں مشن ہائی سکول جالندھر میں غالباً نویں جماعت میں تعلیم پاتا تھا۔ اور اسلامیہ بورڈنگ ہوس میں رہتا تھا۔ جو اس وقت قومی تعلیم کے سلسلے میں مسلمانانِ جالندھر کی اجتماعی مساعی کا پہلا اثر اور پہلا نقش تھا۔ میں جس کمرے میں رہتا تھا۔ اسی میں نشتر کے بھائی عبدالخالق صاحب (جو اب ڈاکٹر عبدالخالق ہیں) بھی رہتے تھے۔ میں چند روز کی رخصت لے کر گھر گیا ہوا تھا۔ واپس آیا تو دیکھا۔ کہ ہمارے کمرے میں ایک دُبلے پتلے نحیف الجثہ نوجوان کا اضافہ ہو گیا ہے۔ دریافت پر معلوم ہوا۔ کہ یہ عبدالخالق صاحب کے چھوٹے بھائی عبدالحکیم خاں ہیں۔ جو ورنیکلر مڈل کا امتحان اعزاز کے ساتھ پاس کرنے کے بعد انگریزی کی تعلیم کے لئے جالندھر آئے ہیں۔ مجھے اس زمانے میں شعر گوئی کا شوق تھا۔ اور تقریباً روزانہ اپنے

ساتھیوں سے بالکل علیحدہ ہوکر اس شوق کو پورا کیا کرتا تھا۔ چند روز میں معلوم ہؤا۔ کہ تازہ وارد نوجوان یعنی عبدالحکیم خاں بھی اس باب میں میرے ہم مشرب ہیں۔ اسی ہم مشربی کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے میرے اور عبدالحکیم خاں کے درمیان ایسے گہرے تعلّقات قائم کردیئے۔ کہ آج تک زمانے کی کوئی دستبرد انھیں گزند نہیں پہنچا سکی۔ اور بُعدِ مکانی و مفارقتِ زمانی کا کوئی امتداد ان کی گرمی اور جوش میں افسردگی پیدا نہیں کرسکا +

یگانگیِ ذوق و مشرب کی طبعی الفت و محبّت کے علاوہ اِن تعلّقات میں احترام کے پاکیزہ جذبات بھی شامل تھے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔ کہ عبدالحکیم خاں صاحب نشتر ایک ایسے خاندان کے فرد تھے۔ جو ہمارے علاقے میں علم و فضل کی وجہ سے خاص شہرت رکھتا تھا۔ اِس خاندان کے مورّثِ اعلیٰ عالمگیر اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے عہدِ سعید میں کابل سے ہندوستان آئے تھے۔ چونکہ یہ پٹھانوں کے قبیلے "میاں خیل" سے تھے۔ اِس لئے یہاں پہنچ کر انھوں نے جو گاؤں آباد کیا۔ اس کا نام "میاں وال" رکھا

(میاں وال تحصیل نکودر ضلع جالندھر)۔ ان کی اولاد میں اس کثرت سے ارباب علم و فضل پیدا ہوئے۔ کہ خود گاؤں کا نام "میاں وال مولویاں" یعنی مولویوں کا میاں وال مشہور ہو گیا۔ اور آج تک علم و فضل کا یہ اختصاص و امتیاز اس گاؤں کے نام کا لاینفک جزو ہے۔ خاندان کے متعدد بزرگوں نے علوم ظاہری کے علاوہ علوم باطنی میں بھی درجۂ امتیاز حاصل کیا۔ اور گرد و نواح کے علاقے میں ان سے بیعت و ارشاد کا سلسلہ بھی جاری ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسے خاندان کے کسی فرد کے ساتھ تعلقات محبت و الفت احترام کے جذبات سے خالی نہیں رہ سکتے تھے +

میں اور نشتر جب تک اکٹھے رہے۔ ہمارا عام دستور یہ تھا۔ کہ روزانہ کچھ مدت کے لئے اپنے تمام رفقا سے الگ ہو کر کوئی "طرح" تجویز کر لیتے۔ اور اس پر جو کچھ لکھتے۔ ایک دوسرے کو سنا کر خوش ہو لیتے۔ نہ کوئی استاد تھا۔ نہ کوئی رہنما اور نہ کوئی مشیر و مصلح۔ اس زمانے کا کلام نہ میرے پاس موجود ہے۔ اور نہ غالباً نشتر کے سفینۂ مسودات میں۔

اس زمانے کا حاصلِ افکار محفوظ ہے۔ اور یہ عرض کرنا غالباً غیر ضروری ہے کہ وہ شعر شعر نہ تھے۔ بلکہ محض "تک بندیاں" تھیں۔ لیکن ہم دونوں اُن تُک بندیوں میں اتنی لذت محسوس کرتے تھے۔ کہ شاید نشتر آج اپنے اعلیٰ درجے کے اشعار میں بھی اتنی لذت محسوس نہ کرتا ہوگا۔ اس طرح ہم نے یکجائی میں کم و بیش دو برس گزارے۔ میں دسویں جماعت کا امتحان پاس کر کے اعلیٰ تعلیم کے لئے لاہور چلا آیا۔ اور نشتر صاحب اپنے بڑے بھائی خان عبدالغفور خاں کے پاس کوئٹہ چلے گئے۔ یہ میرے اور نشتر کے درمیان کامل مفارقت کا زمانہ تھا۔ جس میں باہمی خط و کتابت کا بھی کوئی رشتہ قائم نہ رہ سکا۔

کم و بیش دس برس کے بعد پھر نشتر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ جبکہ وہ روزنامہ "وکیل" امرتسر کے اسسٹنٹ ایڈیٹر تھے۔ اور میں حیدر آباد میں چار برس تک ملازمت کر چکنے کے بعد خدمتِ ملک و قوم کے لئے اخبار کے اجراء کی فکر میں تھا۔ ترکِ موالات کی تحریک

شباب پر تھی۔ ہر طرف گرفتاریاں شروع تھیں۔ آئے دن اخباروں
کی ضمانتیں ضبط ہو رہی تھیں۔ میرے مخلص ترین احباب جن میں سے
سیّد عبدالقادر شاہ صاحب ایم۔ اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور
بہ طورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔ مجھے اخبار کے اجراء سے روک رہے تھے۔
اور میں کشمکش و پیچ کے عالم میں بے مقصد چکر لگا رہا تھا۔ اور جہاں جہاں
عزیز۔ رشتہ دار اور دوست موجود تھے سیر کے لئے چلا جاتا۔ اس
زمانے میں نشتر کی نظمیں اور غزلیں مختلف اخباروں اور رسالوں میں
بہ صد اعزاز شائع ہو رہی تھیں۔ اور میرے زاویۂ نگاہ کے مطابق وہ
بہت بڑے شاعر بن چکے تھے۔ میں ایک دیرینہ دوست اور رفیق کے
زائر کی حیثیت میں "وکیل" کے دفتر میں پہنچا۔ نشتر صاحب کو اطلاع کرائی۔
وہ باہر تشریف لائے۔ لیکن مجھے پہچان نہ سکے۔ میں نے نام بتایا۔ تو
بے اختیار گلے سے لپٹ گئے۔ دس برس پیشتر کی باتیں تازہ ہو گئیں۔
اسی شام کو رام باغ امرت سر میں ایک مجلسِ خصوصی کا انتظام کیا گیا۔

اور ہم نے دس برس کے بعد پھر اسی کامل اور انقطاعی یکجائی کے عالم میں چند گھنٹے گزارے۔ جو سکول کی زندگی میں ہمارے گہرے تعلقات کی عزیز ترین متاع تھی۔

اس وقت سے لے کر آج تک الحمد للہ ہماری یکجائی غیر منقطع طور پر قائم ہے۔ میں اپنے اخبار کا خیال چھوڑ کر "زمیندار" میں آ گیا۔ تو نشتر صاحب بھی "وکیل" سے "زمیندار" میں چلے آئے۔ ۱۹۲۷ء میں "انقلاب" جاری ہوا۔ تو اس میں تشریف لے آئے۔ لیکن روزانہ اخباروں کی طبعی ہنگامہ خیزیاں کبھی بھی نشتر صاحب کے خالص ادبی مذاق کے لئے خوشگوار نہیں رہیں۔ اور وہ ہمیشہ ایسے مشاغل کے خواہاں رہے ہیں۔ جن میں اُن کی ادبیت و شعریت زحمت و کشاکشِ ہنگامہ سے محفوظ رہے۔ لہذا وہ "انقلاب" کو چھوڑ کر "پھول"، "تہذیب النسواں"، "ادیب"، "حمایتِ اسلام" اور "تعلیم و تربیت" وغیرہ کی ایڈیٹری کرتے رہے چونکہ یہ سارا زمانہ لاہور ہی میں گزرا اس لئے ہماری یکجائی میں کوئی خلل

پیدا نہ ہُوا۔ آج کل نشترؔ صاحب فیروز پرنٹنگ ورکس میں شعبۂ تصنیف و تالیف پر مامور ہیں۔ ذاتی تعلّقات کی داستان کو اِس تفصیل و تشریح کے ساتھ سنانے کی غرض محض یہ ہے۔ کہ قارئینِ کرام پر واضح ہو جائے۔ کہ نشترؔ کی شاعری کے دورِ طفولیّت اور عہدِ بلوغ کی جزئیاتِ سرگزشت سے جس قدر مجھے آگاہی حاصل ہے۔ غالباً نشترؔ کے کسی دوسرے دوست کو حاصل نہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے۔ کہ ان کے کلام پر مقدّمہ لکھنے کا شرف مجھے حاصل ہُوا ہے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں۔ کہ وسعتِ علم اور مہارتِ فنِ شعر کے لحاظ سے ان کے متعدّد دوسرے دوست مجھ پر بدرجہا فائق تھے۔ اور اس لحاظ سے مجھ ہیچمیرز کے مقابلے میں مقدّمہ نگاری کے زیادہ اہل تھے +

مجھے شروع ہی میں بلا تامّل واضح کر دینا چاہیے۔ کہ اِس تحریر کا مقصد یہ نہیں۔ کہ کلامِ نشترؔ کے متعلّق کوئی مفصل و مبسوط بیان تیّار کیا جائے۔ جس میں کلام کے تمام محاسن ترتیب کے ساتھ صف آرا ہو جائیں۔ نہ

یہ تمہیدی سطور جو محض تعارف کی غرض سے شاملِ کتاب کی جا رہی ہیں کسی
مبسوط بحث کی متحمل ہو سکتی ہیں۔ اور نہ اس قسم کے مقدمات کا مدعا یہ ہونا چاہئے
کہ اصل کتاب اور اس کے مضامین کے متعلق سلسلۂ بحث و نظر کے رشتے کو زیادہ
لمبا کیا جائے۔ میری غرض محض یہ ہے۔ کہ کلامِ نشتر کے متعلق چند ضروری
امور کو جو میری رائے کے مطابق اس کے نمایاں اور ممتاز خصائص ہیں سے
ہیں سرسری طور پر بیان کردوں۔ جنھیں کتاب کا مطالعہ کرنے والے اصحاب
پیشِ نظر رکھیں گے۔ تو انشاءاللہ مقاصدِ کتاب کے سمجھنے اور متعین کرنے میں
مفید و معاون پائیں گے۔

کلامِ نشتر کے اس مجموعے میں جتنی نظمیں اور غزلیں ہیں۔ ان پر ایک
سرسری نظر ڈال لینے سے بھی واضح ہو سکتا ہے کہ ہر قسم کے عنوانوں پر نظمیں موجود
ہیں مثلاً خالص قومی نظمیں بھی موجود ہیں۔ اور مذہبی نظمیں بھی۔ قدرتی مناظر پر بھی
متعدد نظمیں نظر آتی ہیں۔ اور اخلاقی مضامین پر بھی محض خیالی نظمیں بھی ہیں اور اہم و
سبق آموز تاریخی واقعات کو بھی نظم کیا گیا ہے۔ قومی مضامین سے لبریز غزلیں

بھی ہیں۔ اور پرانے انداز کی عشقیہ غزلیں بھی۔ غرض اصنافِ شعر کا کوئی میدان ایسا نظر نہیں آتا۔ جو نشتر کے اشہبِ فکر و خیال کی سبک خرامی سے بدرجہ وافر محظوظ نہ ہوا ہو۔ اور سب نظموں میں ظاہری و باطنی اور صوری و معنوی محاسن نمایاں ہیں۔ مثلاً فکر میں علو ہے۔ تخیل میں بلندی ہے۔ زبان سادہ ہے۔ لیکن تراکیب میں جدت ہے۔ اندازِ بیان میں ندرت ہے۔ بندش میں چستی ہے۔ پھر عام اشعار میں ایک خاص جوش ہے۔ خاص کیف ہے۔ خاص اثر ہے۔ محاسنِ شعر کی یہ جامعیت نشتر کے کلام کی پہلی خصوصیت ہے۔ جس کی وجہ سے میری رائے میں اس مجموعے کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

پھر ہمارے ہاں شعر عام طور پر دماغی تفریح۔ ذہنی تعیش اور جذباتی تلذذ کا مرقع بن گیا تھا۔ لیکن نشتر نے ہر مقام پر شعر میں تعلیمی اور افادی رنگ پیدا کیا ہے۔ یعنی نشتر کی ادبیت مردہ ادبیت نہیں۔ بلکہ زندہ اور جاندار ادبیت ہے۔ جو سخت کوشی۔ جفاکشی۔ عالی حوصلگی۔ استقامت اور پختگیِ عزم کی تعلیمات سے معمور ہے۔ ہر قدم پر یہ درس موجود ہے۔ کہ انسان کو بلاؤں کے طوفان۔ نازلات

کے ہجوم اور مصیبتوں کی فراوانی میں سراسیمہ و پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ مشکلات
جتنی بڑھتی جائیں۔ انسان کے قوائے عمل میں اتنی ہی تندی۔ تیزی اور
جوش پیدا ہونا چاہیئے۔ گویا نشتر کی شاعری محض موسیقی نہیں۔ محض الفاظ
کی دل خوش کُن موزوں ترتیب نہیں۔ محض حواس کی لذت اندوزی کا سرمایہ
نہیں محض نغمہ آرائی نہیں۔ بلکہ زندگی کا پیغام ہے۔ افراد و جماعات کے لئے
حیات کا درس ہے۔ سخت کوشی و جفاکشی کی تعلیم ہے۔ ہمت و ایثار کا سبق
ہے۔ اور ان تمام اعلیٰ تلقینات کا مجموعہ ہے۔ جو افراد و جماعات کی سیرتوں
اور کیرکٹروں کو بہتر اور پائندہ تر بنانے کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہیں۔
نشتر کا عقیدہ ہے کہ بلاؤں کے سیلاب کا ہمت ورانہ مقابلہ انسان کے
جوہرِ حیات کو پختگی کی دولت سے سرفراز کرتا ہے۔ اور جو انسان مصیبتوں کے
ہجوم میں ہمت ہار بیٹھتا ہے۔ وہ ہرگز انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔ چند
الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ نشتر کا سارا کلام نظیری رح کے اِس شعر کی تفسیر
و تشریح ہے۔ ؎

گریز دار صفِ ما ہر کہ مردِ غوغا نیست
کسے کہ کُشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست

دورِ حاضر میں اُردو اور فارسی ادبیات کے اندر اس بنیادی و اساسی انقلاب کا آغاز حضرت علامہ اقبال مدظلہ العالی کی ذاتِ گرامی سے ہُوا۔ اور وہی اس انقلابی تعلیم کے سب سے بڑے شارح سب سے بڑے مفسر اور سب سے بڑے داعی ہیں۔ میں یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتا۔ کہ نشتر کے کلام میں یہ تعلیم اسی جامعیت اور ہمہ گیری کے ساتھ موجود ہے لیکن اس میں کلام نہیں۔ کہ حضرت علامہ اقبال کی اس مجتہدانہ دعوت کے انوار جس وسعت کے ساتھ نشتر کے کلام میں جلوہ گر ہیں۔ اس کی مثال غالباً دورِ حاضر کے کسی دوسرے شاعر کے کلام میں نظر نہیں آئے گی تمام اصنافِ نظم میں فکر کی یکساں سبک سیری کے بعد شعر میں تعلیمی۔ افادی اور داعیانہ رنگ پیدا کرنا نشتر کی دوسری بڑی خصوصیت ہے ؞

نشتر کے کلام کی تیسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں معنوی محاسن کی فراوانی کے ساتھ ساتھ ظاہری محاسن کے باب میں بھی خاص اہتمام ملحوظ رکھا گیا

ہے۔ میں اوپر ذکر کر چکا ہوں۔ کہ کلام اگرچہ بہت سادہ ہے۔ لیکن اس میں تراکیب
کی جدت۔ اندازِ بیان کی ندرت اور بندش کی چُستی ہر قدم پر نمایاں ہے۔ اور
زبان ہر لحاظ سے محض صحیح و درست ہی نہیں۔ بلکہ عہدِ حاضر کے مسلّماتِ صحّت و حُسنِ
مذاق کے عین مطابق ہے۔ اور "اہلِ زبان" کے مسلّماتِ زباندانی کے رُو سے بھی
اس پر حرف گیری نہیں کی جا سکتی۔ یہاں تک کہ نشتر نے اپنے مجموعے میں ان
اجازتوں سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ جنھیں دینیات کی اصطلاح میں "رخصت"
کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور جو عرفِ عام میں "مراعات" کہلاتی ہیں۔ مثلاً
سارے کلام میں "اور" "کو" "ار" (بروزن فع) کہیں نہیں باندھا۔ "دین" اور "خون"
وغیرہ کو بالعطف و اضافت اخفائے نون کے ساتھ کسی جگہ استعمال نہیں کیا۔
اصل فعل (آتا۔ کھایا وغیرہ) اور صفت (نرالا۔ ترچھا وغیرہ) کے آخر کا الف
کہیں نہیں گرایا۔ عربی و فارسی الفاظ کے حروفِ علّت کا گرانا کسی مقام پر بھی
گوارا نہیں کیا۔ حالانکہ یہ تمام چیزیں عام طور پر جائز سمجھی جاتی ہیں۔ علاوہ بریں
جن الفاظ و تراکیب کو اساتذۂ فن "متروکات" قرار دے چکے ہیں۔ انھیں

کسی جگہ بھی اِستعمال نہیں کیا ؛

ان حقائق کو ملحوظ رکھتے ہوئے بلا تکلّف کہا جا سکتا ہے۔ کہ نشتر کا کلام جتنا بھی پڑھا جائے۔ بہر حال مفید و نافع ہوگا۔ خیالات کے اعتبار سے اس میں جو کچھ ہے۔ اعلیٰ تعلیمی اور افادی رنگ کا مرقّع ہے۔ جس سے انسانوں کے کیرکٹر کی صحیح تعمیر میں مدد مل سکتی ہے۔ اور جس سے افراد کے اندر اعلیٰ درجے کے اخلاقی محاسن پیدا ہو سکتے ہیں۔ ایسے عمدہ خیالات کا مرقّع بلا تکلّف بچّوں، بچّیوں، عورتوں اور مردوں سب کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔ اور قطعاً یہ اندیشہ دامن گیر نہیں ہو سکتا۔ کہ اس کے مطالعے سے کسی طبقے کی تعلیم یا تربیت میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے گی صحّتِ زبان۔ شستگیِ اندازِ بیان اور حسنِ ترتیبِ الفاظ کے لحاظ سے بھی یہ مجموعہ بہت بلند پایہ ہے۔ لہٰذا اِس کا مطالعہ خالص ادبی اور لٹریری نقطۂ نگاہ سے بہر حال مفید اور نفع بخش ہی ہوگا۔ نقصان رساں بالکل نہ ہوگا۔ دواوِینِ اشعار میں الفاظ و معانی اور ادبیتِ تخیل کے محاسن کی جامعیت بہت کمیاب ہے۔ جن جلیل القدر شعرا کے دواوین کو صحّتِ زبان میں درجۂ استناد و اعتماد حاصل ہے۔ اُن کے افکار و خیالات کی حیثیت عموماً

زیادہ بلند اور محفوظ نہیں سمجھی جاتی۔ اور جنھیں قدرت نے خیالات و افکار کی دولت سے خاص شرف بخشا ہے۔ ان کی زبان عموماً شائستہ اعتماد متصوّر نہیں ہوتی لیکن نشترؔ کے کلام میں دونوں چیزوں کا پایہ یکساں حیثیت سے بلند ہے وہ خیالات کی اچھائی اور پاکیزگی کے ساتھ زبان کی اچھائی اور پاکیزگی کی دولت سے بھی مشرّف ہے یہی وجہ ہے۔ کہ اس کے کلام کی افادی حیثیت زیادہ مسلم اور محفوظ ہے۔ اِس سے خدانخواستہ یہ مقصود نہیں۔ کہ نشترؔ کو موجودہ یا گزشتہ اساتذہ و ائمۂ فن کے مقابلے میں کھڑا کیا جائے۔ یا یہ ظاہر کیا جائے۔ کہ نشترؔ سرزمینِ شعر کی کوئی نادر اور یگانہ مخلوق ہے۔ حاشا و کلاّ مقصود محض یہ ہے۔ کہ نشترؔ کو اپنے عام ہمسروں اور ہم مشربوں میں جو اختصاص و امتیاز حاصل ہے اس کا اظہار ہو جائے۔ باقی رہا یہ امر کہ شعرا کی محفل میں اس کا مستقل مقام اور درجہ کیا ہے۔ تو اس امر کا فیصلہ آگے چل کر زمانہ خود کرے گا +

مجتہدینِ فن روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ بحرِ ہستی کا مدّوجزر قرنوں اور صدیوں کے بعد کوئی ایسا گراں مایہ موتی اگلتا ہے۔ جس کی تابش و ضیا سے

انسانیت کے فکر و عمل کا حُسن از سرِ نو آرائش پاتا ہے۔ اس آرائش کو ایک خاص وضع خاص انداز اور خاص پیمانے پر قائم رکھنے والے وجود بھی ہر روز مہیا نہیں ہوتے۔ میری رائے میں نشتر کا تعلق پہلی صنف سے نہیں۔ بلکہ دوسری صنف سے ہے۔ یعنی فنِ شعر میں اس کا درجہ "موسّس" کا نہیں۔ بلکہ "محافظ" کا ہے۔ اور اس لحاظ سے بھی وہ یقیناً خاص قدر و منزلت کا مستحق ہے ۔

میں اوپر عرض کر چکا ہوں۔ کہ اس مقدّمے کا مقصد یہ نہیں۔ کہ کلامِ نشتر پر کوئی مفصّل و مبسوط بیان مرتّب کیا جائے۔ مقصد صرف یہ تھا۔ کہ اِس کلام کی چند اہم خصوصیات کے متعلق سرسری اشارات کر دیئے جائیں۔ جو اگر دورانِ مطالعہ میں قارئین کے سامنے رہیں گے تو بہرحال مفید و نافع ہوں گے ۔

یہ مجموعۂ کلام بہ صورتِ مرتّب پہلی مرتبہ دُنیا کے سامنے آ رہا ہے۔ نشتر کے دوستوں اور محبّوں کی طرح میری بھی دلی آرزو ہے۔ کہ یہ ظہور اس کے لئے مبارک و مسعود ثابت ہو۔ اللہ تعالیٰ اسے قبولِ عامہ کے خلعت سے مشرّف فرمائے۔ اور ہر دلعزیزی کی یگانہ نعمت سے سرفرازی بخشے۔ آمین!

دُعا

موسیٰؑ کو صبر۔ خضرؑ کو عمرِ دراز دے
اے بے نیاز! مجھ کو دلِ بے نیاز دے
تقدیرِ کائنات کو دیکھے جو بے حجاب
پروردگار! وہ نگہِ عرش تاز دے
صیادِ فتنہ گر نے بچھایا ہوا پہ جال
بالِ عُقاب و چنگلِ صد شاہباز دے
بحرِ بلا میں ڈوب کے نکلوں گہر بکف
مجھ نُفتہ دل کو وہ جگرِ غم گداز دے
وہ آنکھ دے جو پھول میں خوشبو کو دیکھ لے
اِس جلوہ گاہ میں دلِ دانائے راز دے

اے حسن! التفات کہ سر خم کئے ہے عشق
شمشیرِ ناز سے شرفِ امتیاز دے
ظلمت گہِ عدم میں جو شمعِ حیات ہو
وہ عشق کا شرارۂ ہستی گداز دے
دُنیا میں قربِ گُنبدِ خضرا نصیب کر
عُقبیٰ میں ظلِّ دامنِ شاہِ حجازؐ دے

فریاد

(سنہ ۱۹۲۰ء)

اے شاہِ عرب! اُٹھو۔ ہنگامِ اعانت ہے
غرقابِ یمِ عصیاں اب کشتیِ اُمّت ہے

کمزور مسلماں ہیں اِلحاد ہے زوروں پر
اِس وقت بہت نازک اِسلام کی حالت ہے

مکّہ کو۔ مدینہ کو اغیار نے آگھیرا
خطرے میں معاذ اللہ اِس وقت خلافت ہے

دُنیا کی تمنّا میں ہم دین کو کھو بیٹھے
اب اپنی نگاہوں میں جو کچھ ہے وہ دولت ہے

اِسلام کا ذرّہ بھی اب ہم میں نہیں باقی
ہنستے ہیں نمازوں پر۔ قرآن سے نفرت ہے

مذہب سے گریزاں ہیں۔ فیشن کے ہیں دلدادہ

توحید سے نفرت ہے۔ تثلیث سے الفت ہے

اب مضحکہ اُڑتا ہے ڈاڑھی پہ کھُلے بندوں

مطعونِ مسلماناں آئینِ شریعت ہے

ایمان فروشی پر تیار رہیں ہر لحظہ

اصنام پرستی سے اس درجہ محبّت ہے

اندھیر مچایا ہے مُلّاؤں نے پیروں نے

اِسلام کے پردے میں الحاد سے الفت ہے

خوش ہوتے ہیں بھائی کو یہ بھیج کے زنداں میں

کیا اِن کی اخوّت ہے۔ کیا ان کی شرافت ہے

بیگانۂ آزادی ہیں اہلِ چمن ایسے

مالی سے عداوت ہے گلچیں سے محبّت ہے

رستے کے تھکے ماندے ہیں آبلہ پا بیٹھے
منزل کی ہے دھن لیکن ہمّت ہے نہ طاقت ہے
جلّاد کا پیراہن ہے خون سے عنّابی
شاید کسی عاشق کا یہ روزِ شہادت ہے
سُرخ آندھی اُٹھے گی اب خاکِ رہِ قاتل سے
عاشق کی شہادت ہی پُر زور شہادت ہے
لیلائے حکومت کل جس قوم پہ عاشق تھی
خود آج وہ مشتاقِ لیلائے حکومت ہے
کل جس کے غلاموں میں تھے قیصر و کسریٰ بھی
آج اُس کے مقدّر میں افلاس ہے ذلّت ہے
اے شاہِ اُمم اللہ مرقد سے نکل آؤ
رہبر کی ہے اب حاجت۔ ہادی کی ضرورت ہے

سلامِ نیاز

بہ حضورِ شاہِ حجاز صلّی اللہ علیہ وسلّم

[اکتوبر ۱۹۲۵ء میں برادرِ محترم مولانا غلام رسول صاحب مہر بی۔اے مالک و مدیر روزنامۂ "انقلاب" نے جو اُس زمانے میں "زمیندار" کے ایڈیٹر تھے، پہلی مرتبہ حجازِ مقدس کا قصد فرمایا تھا۔ اِس قابلِ رشک تقریب نے احبابِ خاص کے حلقے پر بے حد رقت انگیز کیفیت طاری کر دی تھی۔ اِس لئے کہ ہر دوست اس سعادتِ عظمیٰ سے شرف اندوز ہونے کے لئے بیتاب تھا۔ جو خدائے بزرگ و برتر کے لطفِ خاص سے مولانا مہر کو نصیب ہوئی تھی۔ مولانا مہر کے ساتھ دلی محبت کے جوش اور اِس مبارک سفر کی ولولہ انگیزیوں کے وفور نے مولانا کے چار محبوں یعنی مولانا عبد المجید خاں صاحب سالک۔ مولانا ابو الاثر حفیظ جالندھری۔ مولانا مرتضیٰ احمد خاں صاحب میکش دُرانی اور خاکسار کو بہ طورِ خاص متاثر کیا۔ اِس تاثر کے عالم میں چاروں نے "سلام" لکھے۔ جو سفر سے ایک روز قبل ایک پرائیویٹ صحبت میں اِس التجا کے ساتھ مولانا کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ کہ عقیدت و شیفتگیِ حضورِ سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم

کہ یہ ناچیز منظوم ہدیہ انتہائی عجز و نیاز کے ساتھ بارگاہِ نبوی میں پہنچا دیئے جائیں۔ راقم الحروف کا یہ سلام اسی تقریبِ سعید کی یادگار ہے۔ [نشتر]

السّلام اے رہروِ راہِ حجاز!
اے جبیں سائے درِ شاہِ حجازؐ!
السّلام اے گُل بداماں عندلیب!
اے ترنّم ریزِ گلزارِ حبیبؐ!
تُو ہے اُس وادی میں سرمستِ خرام
جس کے ذرّے ہیں خدا سے ہمکلام
جس کو محبوبِ خدا پر ناز ہے
عرش جس کا فرشِ پا انداز ہے
جس کا ہر کانٹا ہے جنّت در کنار
کہکشاں افروز ہے جس کا غبار

ہے جنوں انگیز جس کی سرزمیں
جس کا ہر ذرّہ ہے محمل آفریں
جس کے ویرانے ہیں رشکِ صد بہار
حُسنِ فطرت کی جو ہے آئینہ دار
جس کے صحرا ہیں سراپا جانِ عشق
عقل نے باندھا جہاں پیمانِ عشق
جب رسائی ہو تری اے خوش گہُر!
آستانِ سرورِ لولاک پر
عرض کرنا اک فقیرِ بے نوا
ہند کے زنداں میں ہے صیدِ بلا
صرفِ غم ہے موردِ آلام ہے
پائمالِ جورِ صُبح و شام ہے

اشک ہے حسرت کشِ دانائے راز
زخمِ دل کو ہے تلاشِ چارہ ساز
اک مسافر ہے مگر منزل سے دُور
ایک کشتی ہے۔ مگر ساحل سے دُور
ایک مجنوں ہے۔ مگر محمل سے دُور
شمعِ روشن ہے۔ مگر محفل سے دُور
اِک چمن ہے باغباں نا آشنا
ایک بلبل آشیاں نا آشنا
اک نصیریؔ ہے ردا سے بے نصیب
طُور ہے لیکن ضیا سے بے نصیب
تحفۂ شایانِ شاں کوئی نہیں
پاس میرے ارمغاں کوئی نہیں

اَور میرے دامن تر میں ہے کیا
قطرۂ اشکِ ندامت کے سوا
چُوم کر سنگِ درِ خیر الوریٰ
میری جانب سے یہ کرنا اِلتجا
آرزوئے دید میں ہوں بے قرار
اب ہوائے ہند ہے ناسازگار
اے خوش آں روزے کہ در یثرب رسم
مہر در آغوش می گردد شبنم
مہرِ ما اے یوسفِ کنعانِ ما
مہرِ ما اے درد و اے درمانِ ما
ما کلیمانیم و تو سینا ستی
آفتابِ خاورِ دلہا ستی

چوں شوی بر درگہِ شہ چہرہ سا
چوں رسی تا عزِ عرضِ مدّعا
یاد آور حسرتِ دیدارِ من
یاد آور دیدۂ خونبارِ من
باز آئی قاصدِ فرخندہ سیر
مژدۂ جاں پرورے آری بخیر

قرآن اور مسلمان

تساہل تابکجا اے ہمنفس! خوابِ گراں کب تک
خمارِ بادۂ غفلت کی یہ انگڑائیاں کب تک
نگاہِ حق نگر سے دیکھ۔ کیسا رنگِ دوراں ہے
تنازع للبقا میں ذرّہ ذرہ گرمِ جولاں ہے
گلِ مقصود بستانِ عمل میں جلوہ پیرا ہے
یہی محمل تجلّی گاہِ لیلائے تمنّا ہے
ہے عبرت کا مرقّع ہر ورق تاریخ عالم کا
بلند اقبال قوموں سے سبق لے نشوِ پیہم کا
ترے ایّامِ ماضی رایت افرازِ شجاعت ہیں
تری جانبازیاں خود تیری سطوت کی شہادت ہیں

زمانے پر رہے روشن دولتِ صولت نشاں تیری
فلک کو درسِ حیرت دے رہی ہے داستاں تیری
وہ کیا طرزِ عمل تھا۔ تیرا معیارِ نمو کیا ہے
تدبّر کر۔ ترے اسلاف کیا تھے اور تُو کیا ہے
تجھے کیا یاد ہے فاروقؓ کی رسمِ جہانبانی
وہ محی الدّینِ عالمگیرؒ کی تدبیرِ سلطانی؟
جدھر دیکھو اُدھر جھنڈے گڑے ہیں انکی عظمت کے
سلاطینِ زمن قائل ہیں اُن کی شان و شوکت کے
مسُلماں اور پھر محکوم۔ ایسا ہو نہیں سکتا
ہُما کے آشیاں میں بُوم۔ ایسا ہو نہیں سکتا"
خبر بھی ہے ترا اقبال کیوں ادبار سے بدلا
دمِ راحت فزا کیوں آہِ آتشبار سے بدلا

کلام اللہ کو رکھا ہے تو نے طاقِ نسیاں پر
رسولِ پاکؐ کے احکام سے غافل ہوا یکسر
یہ وہ قلزم ہے۔ رشکِ صد گہر ہے جس کا ہر قطرہ
یہ وہ ایمن ہے۔ صد سینا بکف ہے جس کا ہر ذرّہ
سپہرِ اوج پر اُڑنے کی خواہش ہے اگر تجھ کو
تو اُٹھ۔ قرآن کی منزل میں پہلے جادہ پیما ہو
چراغِ راہ ہر گمراہ کو تعلیمِ قرآں ہے
حقیقی زندگی کا رازہ اِسی پردے میں پنہاں ہے

تیغ اور مُسلم

مُسلم

ایک شب تھا نغمۂ روح القدس فردوسِ گوش
ناگہاں دل بن گیا جولاں گہِ جوشش و خروش
دہلی و بغداد و غرناطہ کی یاد آنے لگی
سینۂ امروز میں اُٹھنے لگا طوفانِ دوش
پردۂ چشمِ تصور پر کھچی تصویرِ بدر
تیغِ حق سے جسمِ باطل ہو رہا تھا سرخ پوش
تیغ تھی جوشِ ظفر سے سرخوشِ کیفِ خودی
یوں کہا میں نے کہ اے سرمایۂ دارِ نیش و نوش

جب ترا قبضہ تھا دستِ خالدؓ جانباز میں
تیری موجِ آب تھی صد قلزم و جیحوں بدوش
تو ہوئی جس دم علم شیرِ خدا کے ہاتھ میں
تیری برق افشانیاں تھیں ظلم سوز و امن کوش
نامِ حق لے کر جو محمودؒ و صلاح الدینؒ اُٹھے
اُڑ رہا تھا اوجِ رفعت پر ترا شہبازِ جوش
دستِ مسلم میں تری باطل فگن جھنکار نے
کر دیئے تھے مشرق و مغرب کے ہنگامے خموش
اب وہی ہم ہیں۔ وہی تُو ہے۔ وہی اسلام ہے
کیوں نہیں ہم فاقہ مستانِ غلامی کو وہ ہوش؟
سلطنت کی اور تیری خواجہ تاشی کیا ہوئی
برق ریزی۔ کفر سوزی۔ امن پاشی کیا ہوئی

تیغ

نام کا ہے تو مسلماں۔ ورنہ یوں ہوتا غلام؟
تو ہی کہہ شرمندۂ معنی بھی ہے تیرا کلام؟
مان بھی لوں میں اگر مسلم ہے تو۔ لیکن بتا
مسلمِ نا مسلمِ ہندی کو ہے کیا مجھ سے کام
دینِ فطرت کو وبالِ دوش ہے تیرا وجود
تو بنا ہے آج ننگِ اُمّتِ خیر الانام
تو مجھے بھولا ہے جب سے میں نے بھی چھوڑا تجھے
اب ذرا ہو گوش بر آواز سن میرا پیام
پرورش پائی حکومت نے مری آغوش میں
میرے ہی دم سے ہے قائم بزمِ ہستی کا نظام

میری شانِ نظم پر شاہد ہے انزلنا الحدید[1]

میرے قبضے میں ہے امن و صلحِ عالم کی زمام

جلوہ گر ہے میری صورت میں الف اللہ کا

ہر گدا و شاہ کرتا ہے مجھے جھک کر سلام

مقصدِ آئینِ فطرت کی ہوں میں آئینہ دار

ربط و ضبطِ دہر ہے میرا وظیفہ صبح و شام

میرے ہر جلوے سے ہے نیرنگِ عالم آشکار

رزم میں خیبر شکن ہوں۔ بزم میں صہبا بجام

میں وہی ہوں۔ آہ! لیکن تجھ میں وہ جوہر نہیں

تیرے ہاتھوں مٹ گیا اسلاف کا ناموس و نام

---

[1] لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط وانزلنا الحدید فیہ باسٌ شدیدٌ ومنافع للناس ولیعلم اللہ من ینصرہٗ ورسلہ بالغیب ان اللہ قویٌ عزیز (سورۃ الحدید پارہ ۲۷)

وہ جہانگیری تری پنہاں ہوئی کس خاک میں
جس سے ہنگامہ بپا تھا گنبدِ افلاک میں
شوقِ سربازی کہاں۔ وہ جوشِ ایمانی کہاں؟
ہمتِ خالدؓ کہاں۔ وہ صدقِ سلمانی کہاں؟
کیا ہوا وہ عزمِ فاروقی۔ وہ زورِ حیدری؟
وہ شہیدِ کربلا کی روحِ قربانی کہاں؟
بایزیدؒ و غزنویؒ کی ترکتازی کیا ہوئی؟
اشہبِ اسلام کی وہ شانِ جولانی کہاں؟
اب کہاں تیمورؒ و عالمگیرؒ و ابدالیؒ کا جوش؟
عشقِ دینِ مصطفیٰؐ کی وہ فراوانی کہاں؟
کیا ہوا ایمان کا وہ شعلۂ الحاد سوز؟
قلزمِ توحید کا وہ زورِ طغیانی کہاں؟

جب خدا کی راہ میں تو برسرِ پیکار تھا
میرا قبضہ فتحِ گیتی کا علمبردار تھا

میں پھری تجھ سے جو حق سے پھر گیا تیرا خیال
عشق کے پھولوں کو کر ڈالا ہوس نے پائمال

خوفِ غیر اللہ جب تجھ پر مسلط ہو گیا
چھا گیا تیرے مہِ اقبال پر ابرِ زوال

تو جو تھا یثرب کے ساقی کا گدائے آستاں
رُو کشِ صد ساغرِ جم تھا ترا جامِ سفال

آتشِ اسلام سے تو تھا جو سینا در کنار
تھا جہاں افروز تیرا نیّرِ اوجِ کمال

دولتِ عشقِ شہِ بطحاؐ کا دامن چھوڑ کر
غیر کے آگے تو پھیلانے لگا دستِ سوال

جب ہوئی ایماں پہ غالب مُلک گیری کی ہوس
حشر بن کر تجھ پہ ٹوٹا قہرِ ربِّ ذوالجلال

جب ترا دِل ہو گیا بیگانۂ روحِ جہاد
ذرّہ ذرّہ بن گیا اک حلقۂ دامِ وبال

سلطنت کے اوج سے قعرِ غلامی میں گرا
بڑھ گئی عشقِ محمدؐ سے جو حُبِّ جان و مال

یاد ہے تجھ کو۔ کہ خیبر میں مری جھنکار تھی
زخم ہائے قلبِ مومن کو نویدِ اندمال

جو رہِ حق پر جہاد آرا ہو۔ اُس کے ساتھ ہوں
میں کفِ غازی میں اے مُسلم! خدا کا ہاتھ ہوں

ہوں ازل سے انقلابِ بزمِ ہستی کی امیں
میں کہیں زہرِ ہلاہل ہوں۔ کہیں ہوں انگبیں

کِس کے بل پر دینِ فطرت کا علم ہے عرش بوس؟
کِس کا دم ہے حافظِ ناموسِ ختم المرسلینؐ؟
ہیں جو چمکی ترک کے ہاتھوں میں بن کر آفتاب
صورتِ شبنم ہوئے کافور سب اعدائے دیں
نجد کی وادی میں پھر شورِ سلاسل کی ہے گونج
ساربانِ ناقۂ لیلا ہے پھر قیسِ حزیں
ہیں بنی جس وقت زورِ بازوئے ابنِ سعود
پیکِ یثرب نے سنایا مژدۂ فتحِ مبیں
خون سے کِس کے ہے عُنّابی مراکش کی قبا؟
گونج ہے کِس کی فضا میں تا بہ چرخِ ہفتمیں؟
کھینچ کر مجھ کو گرا اعدا پہ جب عبد الکریم
ہو گیا ہمدوشِ پروین طرّۂ اعزازِ دیں

دیدنی ہیں میرے دامن کی بہار افشانیاں
رشکِ فردوسِ بریں ہے آج کابل کی زمیں
دستِ نادر خانِ غازی میں ہوئی جب بے نیام
ہیں بنی ناموسِ استقلالِ افغاں کی امیں
ساقیِ ایراں ہے سرشارِ شرابِ لالہ فام
آج ہے خورشید در آغوشِ خطِّ ساتگیں
جب رضا خاں جادۂ حق پر ہوا تیغ آزما
میں نے بخشی اُس کو فتح و عیش کی خلدِ بریں

زینتِ اورنگِ حُرّیت مرا دمساز ہے
میری ہر جھنکار طبلِ فتح کی آواز ہے

عزم لا فاروقؓ کا۔ صدیقؓ کا قلب و جگر
دیکھ لے جو رازِ ہستی کو وہ پیدا کر نظر

کھول دے گی عقدۂ تقدیر شمشیرِ جہاد
اور رکھ دے گی غلامی کے سلاسل کاٹ کر

میرے بل پر مضطرب دُنیا کو دے پیغامِ امن
ذرّہ ذرّہ کہ رہا ہے الامان و الحذر

پرچمِ توحید اک عالم میں لہرانے لگے
دینِ فطرت کی روایاتِ کہن کو تازہ کر

ہے کفِ شمشیرِ حق شانہ کشِ زلفِ مراد
محملِ دیں میں ہے لیلائے حکومت جلوہ گر

آج تُو کر دے جو اپنی زندگی وقفِ جہاد
تیرے در پر ہوں جبیں فرسا جہاں کے تاجور

نقدِ جاں سے مصطفیٰ کے عشق کا سودا تو کر
قرنِ اوّل کے مسلمانوں کا دل پیدا تو کر

اُٹھ ذرا مانندِ خالدؓ فاتحِ دوراں تو ہو
صورتِ شبیرؑ راہِ عشق میں قرباں تو ہو
خاک ہو جائے گا جل کر خرمنِ الحاد و کفر
آتشِ عشقِ نبیؐ سے شعلہ در داماں تو ہو
تیرے آگے سومناتِ شرک کی ہے کیا بساط
دل میں لیکن غزنویؒ کا جذبۂ ایماں تو ہو
ہو گلیمِ بندگی تیری قبائے خواجگی
جوشِ ایمانی مثالِ بوذرؓ و سلماںؓ تو ہو
طوق و زنجیرِ غلامی کٹ کے گر جائیں ابھی
جذبۂ اِسلام لیکن سلسلہ جنباں تو ہو
نغمۂ تکبیر نکلے سازِ ہستی سے ابھی
دین کی مضراب سے تارِ نفس لرزاں تو ہو

میں ابھی بخشوں تجھے شان و شکوہِ خسروی
پاس تیرے عشقِ احمدؐ کا مگر ساماں تو ہو
ذرّہ ذرّہ نورِ ایماں کے لئے بیتاب ہے
آفتابِ ملّتِ بیضا! ضیا افشاں تو ہو
یہ خرابہ رشکِ باغِ جناں ہو جائے گا
نیّرِ اسلام سے روشن جہاں ہو جائے گا

غزوۂ حنین

ہو گیا مکّہ میں جب پرچمِ اسلام بلند
گونج اٹھی نعرۂ توحید سے پہنائے فضا
جھوم کر ابرِ کرم نے گہر افشانی کی
بھر گیا نور سے دامانِ سوادِ بطحا
تھا عرب میں ابھی زوروں پہ مگر جوشِ عناد
کفر اسلام سے آمادۂ پیکار ہوا
جیشِ توحید پہ حملے کو اک انبوہِ کثیر
صورتِ سیلِ رواں جانبِ کعبہ نکلا
اِس سے آگاہ شہنشاہِ دو عالمؐ جو ہوئے
فوج کو حکم دیا جنگ کی تیاری کا

اُٹھے جانباز مسلمان کوئی بارہ ہزار
آبروئے حرمِ پاک پہ ہونے کو فدا
وہ ہوئے کثرتِ تعداد پہ سہواً مغرور
گو سمجھتے تھے تکبّر نہیں مرغوبِ خدا
لشکرِ دیں نے کیا نعرۂ تکبیر بلند
کوچ کا حکم جو دربارِ رسالت سے ملا
زورِ تکبیر سے تھرّا اٹھے دشت و کہسار
مئے توحید سے سرشار ہوئے ارض و سما
پہنچے کعبے کے فداکار جو نزدیکِ حنین
آگئی ان کے مقابل میں سپاہِ اعدا
رنگ بگڑا نظر آیا۔ تو مسلماں بھاگے
اُن پہ کفّار نے حملہ جو کمیں گہ سے کیا

پھر مگر سنتے ہی پُر زور صدائے عباسؓ
جو مسلمان جہاں بھی تھا۔ وہیں سے پلٹا
ہے کدھر فاتحِ خیبر؟ ہے کدھر مرحب کُش؟
یوں ابو جرولِ بد بخت گرج کر بولا
جب علیؓ شیرِ خدا نے یہ سنا۔ للکارے
ہاں۔ خبردار۔ سنبھل۔ فاتح خیبر آیا
کہ کے تکبیر کیا حیدرِ کرارؓ نے وار
کر دیا تیغ ید اللہ نے سر تن سے جدا
پڑ گیا تہلکہ۔ کفار کے چھکے چھوٹے
موت کے گھاٹ جو اُن کا یہ بہادر اُترا
پاؤں کفار کے اکھڑے۔ تو ہوئی اُن کو شکست
فتحِ اسلام کا بجنے لگا ہر سُو ڈنکا

جب شہِ دیںؐ نے کیا مالِ غنیمت تقسیم
جو تھے نو مُسلم۔ انھیں سب سے زیادہ بخشا
بعض انصار نے شکوے کی زباں جب کھولی
بعدِ تحقیق لبِ پاک سے ارشاد ہوا
"بہرِ تالیفِ قلوب ان سے کیا ہے یہ سلوک
تاکہ ہو جائیں وہ اِسلام کے سچّے شیدا
ہو نہ مایُوس کہ تم ساتھ لئے جاتے ہو
ایسی اک چیز جو ہے نقدِ دو عالم سے سِوا
خود ہی ہیں ساتھ تمھارے ہوں گروہِ انصار!
دل کی ٹھنڈک تو مری آنکھ کا تم ہو تارا
مال جن کو ہے مِلا۔ وہ تو ہیں مانندِ لباس
تم وہ کُرتہ ہو جو ہر دم رہے سینے سے لگا"

اللہ اللہ ان الفاظ میں کیا تھا اعجاز
صفِ انصار سے طوفانِ مسرّت اُٹھا
ہوگئیں اشک فشاں جوشِ طرب سے آنکھیں
عرض کی سب نے کہ "اے بادشہِ ہر دو سرا!
شکوہ سنجوں کی خطا کیجئے للہ معاف
ہم کسی چیز کے خواہاں نہیں حضرت کے سوا
آپ ہیں ساتھ ہمارے۔ تو غنی ہیں ہم لوگ
ہے فزوں دولتِ کونین سے ذاتِ والا
ان کو حصّے جو ہمارے بھی عطا فرمادیں
پھر بھی واللہ ہرگز نہ ہو کسی کو شکوا
کوئی خدشہ تھا اگر دل میں تو خدشہ تھا یہی
کہیں مکّہ میں نہ رہ جائیں ہمارے مولا"

نویدِ اسلام

ظلمتِ شب ہو گئی کافور۔ نِکلا آفتاب
آج ہر ذرہ بنا ہے شمعِ ایمن کا جواب
نور کی موجوں کا گہوارہ بنی آغوشِ نیل
جنتِ نظارہ کا گلچیں ہوا ہے سرشارِ خواب!
ریگ زارِ یاس نخلستانِ راحت بن گیا
ہمکنارِ لیلیِ مقصود ہے ہر شیخ و شاب
سوزِ پیہم۔ اضطرابِ جاوداں ہے زندگی
ہے حیات آموز یہ ہنگامہ پرور انقلاب
بحرِ طوفاں خیز کی موجوں سے ہو گرمِ ستیز
ہے اگر تجھ کو تلاشِ گوہرِ خورشید تاب

ہے دمِ تیغ حوادث ساحلِ آبِ حیات
پھر تجھے کیوں ہے خضرؑ کی جستجو میں اضطراب
پرورش پائی ہے جس نے تیغ کی آغوش میں
زندۂ جاوید اُس غازی کو مِلتا ہے خطاب
تجھ کو بے پردہ نظر آجائے تقدیرِ جہاں
خونچکاں سوزِ دروں سے ہو اگر چشمِ پُر آب
فقر کا ہو تاج سر پر سلطنت زیرِ قدم
ہو نمایاں تیرے ہر ذرّے سے شانِ بو ترابؓ
تیری ہر رگ میں جہادِ حیدری کا جوش ہے
خون کی موجوں کا تُو پروردۂ آغوش ہے
کھول کر چشمِ بصیرت دیکھ نیرنگِ جہاں
ذرّے ذرّے میں نہاں ہے زندگی کی داستاں

کار فرما ہے جہانِ آب و گِل میں اتحاد
ہیں اسی بنیاد پر قائم زمین و آسماں
قوم کے ہر فرد کو تنظیم کا پیغام دے
ہے اِسی مٹّی سے تعمیرِ حیاتِ جاوداں
فرقہ بندی کا مرض پھیلا ہے تیری قوم میں
اُٹھ ذرا اپنی خبر لے اے مسیحائے زماں!
طائرِ فطرت نوا! آزاد رہنا ہے اگر
گلبنستانِ اخوّت میں بنا لے آشیاں
دانوں سے خرمن کی۔ ذرّوں سے ہے صحرا کی نمود
قطرہ قطرہ مِل کے بن جاتا ہے بحرِ بیکراں
آہ! تو نے ان کو وقفِ طاقِ نسیاں کر دیا
اتحاد و نظم ہیں اسلام کی روح و رواں

غیر تو عامل ہوئے اسلام کے احکام پر
اور تُو اب تک گرفتارِ طلسمِ این و آں
فرقہ آرائی پیامِ مرگ ہے تیرے لئے
ایک ہو جا۔ چھوڑ بحثِ رنگ و نسل و خانداں
ظلمت آبادِ جہاں تجھ سے ضیا اندوز ہو
آفتابِ ملّتِ بیضا! افق افروز ہو
اے علم افرازِ حق! نظمِ جہاں کے رازدار!
آج کیوں بھولے ہوئے ہے دینِ فطرت کا شعار
دعوت و تبلیغِ حق تیرا ہے فرضِ اوّلیں
گرمِ جولاں عرصۂ عالم میں ہو اے شہسوار!
کفر زارِ دہر کو ہے جوئے ایماں کی تلاش
گلستاں بننے کو ہیں بیتاب دشت و کوہسار

کربلا کی خاک ہے فریادی خونِ حسینؑ
حیدرِ کرارؓ کے مسلک پہ چل مردانہ وار
پھونک دے ایوانِ باطل برقِ الّا اللہ سے
اور قصرِ حق پرستی کی بِنا کر استوار
ہمکنارِ ساحلِ مقصود ہونا سہل ہے
جب ہوا کا رخ موافق ہو۔ مقدّر سازگار
لطف جب ہے موج سے کشتی گریباں گیر ہو
بحرِ بے پایاں ہو طوفانی۔ فضا تاریک و تار
ہو اسی پیکار میں لذّت کشِ جامِ بقا
زندگی کی جان ہے غافل! یہ پیہم گیرودار
اُٹھ دکھا گم کردہ راہوں کو صراطِ مستقیم
اک زمانے کو ہے میرِ کارواں کا انتظار

طالبانِ حق کو اے ساقی! اصلائے عام دے
تشنہ کاموں کو مئے خمخانۂ اسلام دے

دورِ گردوں نے ورق الٹا کتابِ دہر کا
ذرّے ذرّے میں ہے اک ہنگامۂ محشر بپا
دردِ حرّیّت سے موت آئے۔ تو ہے رشکِ حیات
برق سے پاتا ہے نخلِ زندگی نشو و نما
تُو ہے اے مسلم! امینِ رازِ تقدیرِ جہاں
مشرق و مغرب ہیں تیرے آستاں پر جبہہ سا
اے نویدِ امن! آزادی کے پیکِ خوش خرام!
اک جہاں کو زندگی کے راز سے کر آشنا
جستجوئے حق میں اک دُنیا ہے وقفِ اضطراب
رہنما کا ہے نشاں کوئی۔ نہ منزل کا پتا

منزلِ مقصود پر پہنچا انھیں اے ہمنفس!
خضرِ رہ ہے قافلے والوں کو تیرا نقشِ پا
دعوتِ قرباں دہی دیتا ہے اک عالم تجھے
جنبشِ بالِ ہُما ہے تیرے گُلشن کی ہوا
کفر کا محکوم ہو سکتا نہیں ایماں کبھی
تیرے تن پر زیب دیتی ہے حکومت کی قبا
اِس جہانِ کہنہ کی تعمیر کو ویران کر
رکھ نئے انداز سے اک اور دُنیا کی بِنا
آنے والے! آ۔ زمانے کی امامت کے لئے
مضطرب ہیں تیرے شیدائی زیارت کے لئے

اسوۂ شبیرؑ

اُٹھ۔ جذبۂ اسلام دکھا مردِ مسلماں! اے عاشقِ یزداں!
ہاں سر سے کفن باندھ کے آجا سرِ میداں اے عاشقِ یزداں!
ایمان سے پھر کفر ہُوا برسرِ پیکار ہُشیار ہو ہُشیار
کر اہرمنی فوج کا شیرازہ پریشاں اے عاشقِ یزداں!
شبیرؑ کی مانند کٹا عشق میں گردن کر دین کو روشن
ہو بندۂ تسلیم۔ فدا کر جگر و جاں اے عاشقِ یزداں!
ایثار کا لے درس حُسینؑ ابنِ علیؓ سے محبوبِ نبیؐ سے
سینچ اپنے لہو سے چمنستانِ شہیداں اے عاشقِ یزداں!
رکھ پیشِ نظر اسوۂ شبیرؑ کو پیہم ہر لحظہ و ہر دم
سر جائے تو جائے۔ نہ جُھکے پرچمِ ایماں اے عاشقِ یزداں!

ہے راہِ جناں راہِ شہادت گہِ اسلام — ہو اس میں سبک گام
ہے لختِ جگر خونِ دل اِس راہ کا ساماں — اے عاشقِ یزداں!
شمشیر کا دامن نہیں۔ ہے حُور کی آغوش — ہو خون سے گُل پوش
جینے کی تڑپ ہے۔ تو رہ دیں پہ ہو قرباں — اے عاشقِ یزداں!

ہو شہیدِ رہِ اسلام کہ ہے کام یہی
عیدِ قرباں کا مسلماں کو ہے پیغام یہی

سرِ تسلیم ہو خم حکمِ خدا کے آگے
شانِ مُسلم ہے یہی۔ معنیِ اسلام یہی

دل براہیمؑ کا۔ مسلک ہو ذبیح اللہؑ کا
قصرِ ملّت کے ہیں دیوار و در و بام یہی

پھر اُسی مسلکِ دیرینہ کو تازہ کر دے
زندگی کا یہی آغاز ہے انجام یہی

لیلیِ عید سے وابستہ ہے جس کا دامن
بسملِ خنجرِ اسلام! وہ ہے شام یہی
دل و جاں شاہدِ اسلام پہ قرباں کر دے
کفر کو نعرۂ ایماں سے گریزاں کر دے

سنہ ۱۹۲۲ء کی عیدِ قرباں

عیدِ قرباں ہو مبارک تجھے اے مسلمِ زار!
دیکھ۔ ہر سمت مسرّت کا کھلا ہے گلزار
پُتلیاں عیش کی ہیں تارِ نظر پر رقصاں
آج فردوس بدامن ہے نگہ کا داماں
عید نظّارہ ہے کیا منظرِ جذبِ اسلام
جنّتِ گوش خدائے دو جہاں کا ہے کلام
علم افرازِ مساوات ہے آئینِ نماز
یہ وہ مرکز ہے۔ جہاں ایک ہیں محمود و ایاز
جاذبِ دل ہے اخوّت کا سہانا منظر
بھائی آپس میں گلے مِلتے ہیں خوش ہو ہو کر

صورتیں نکتۂ توحید کی تفسیریں ہیں
متکلّم یہ مساوات کی تصویریں ہیں
تجھ کو معلوم ہے کیا مقصدِ عیدِ قرباں؟
تُو سمجھتا ہے۔ یہ میلا ہے کوئی اے ناداں!
یہ تو آئینِ براہیمؑ کا آئینہ ہے
اور قربانی و ایثار کا گنجینہ ہے
غوطہ زن ہو۔ دُرِ مقصود میسّر ہوگا
بہ رہا ہے ترے گھر قلزمِ تسلیم و رضا
عشرتِ عید میں مستِ مئے پندار نہ ہو
ہمنفس! دامِ تغافل میں گرفتار نہ ہو
دیکھ۔ کیا ظلم ہؤا ہند کے غمخواروں پر
اور حُرّیتِ ملّت کے پرستاروں پر

مادرِ ہند کے فرزند ہیں محبوسِ بلا
آئے دن ان پہ مشقت ہے نئی ظلم نیا
طالبِ حق بھی خطاوار ہے۔ اللہ اللہ
کیسی عادل مری سرکار ہے اللہ اللہ
طلبِ حق میں جو پابندِ سلاسل ہوگا
بالیقیں لیلیٔ امید سے واصل ہوگا
کیوں جفاکاریٔ حکام کا فریادی ہے
جیل خانہ ہے کہاں منزلِ آزادی ہے

فتنۂ عید میں تو آہ! پڑا سوتا ہے
کچھ خبر بھی ہے۔ ملیبار میں کیا ہوتا ہے
ظلم کے تیر برستے ہیں مسلمانوں پر
بجلیاں گرتی ہیں ان سوختہ سامانوں پر

اُف! کدھر سے یہ جگر دوز صدائیں آئیں
ہو نہ ہو بلقانیوں پر تازہ بلائیں آئیں
کون چلّاتے ہیں۔ اُف! کن کے ہیں یہ لختِ جگر
آہ! دیکھا نہیں جاتا یہ بھیانک منظر
خانہ بردوش ہوئے۔ موردِ بیداد ہوئے
زندہ در گور ہوئے۔ خستہ و برباد ہوئے

حیف صد حیف ترے گھر میں جلیں گھی کے چراغ
اور ٹرکی کے مسلمان ہوں محرومِ فراغ
آج ٹرکی میں ہے ہنگامۂ محشر برپا
گوشے گوشے سے چلی آتی ہے ماتم کی صدا
چپّہ چپّہ ہے مسلماں کے لہو سے گُل پوش
ذرّہ ذرّہ غم و ماتم سے ہے تابوت بدوش

اہل یوناں نے وہ تُرکوں پہ کئے ظلم و ستم
وقتِ تحریر لرزتا ہے مؤرّخ کا قلم
گاؤں کے گاؤں جلا کر کئے ویران و تباہ
عورتوں پر وہ جفا کی کہ عیاذاً باللہ
مسجدیں کی ہیں شہید اِن ستم ایجادوں نے
ٹکڑے بچّوں کے اُڑا ڈالے ہیں جلّادوں نے
حق سے الفت ہے۔ تو بھائی کی مدد کر مُسلم!
پاسِ ملّت ہے۔ تو بھائی کی مدد کر مُسلم!
ناخدا آپ خدا سیلِ شبِ تار میں ہے
کیا خطر کشتیِ اسلام جو منجدھار میں ہے
پیروی کر کے دکھا سُنّتِ سجّادی کی
آزمائش ہے ترے جذبۂ آزادی کی

پاک داماں ہے جو تُو۔ خوف ہے کیا زنداں کا
یاد ہے خوب سب تجھے قصہ مہِ کنعاں کا
آج ہے پیشِ نظر مسئلۂ موت و حیات
راہ پُرخار ہے۔ پھسلے نہ کہیں پائے ثبات
حسبِ منشا نہیں حالات۔ تو خود پید اکر
رکھ بِنا قصرِ زمانہ کی باند از دگر
زندہ رہنا ہے اگر۔ عاملِ قرآں ہو جا
عید کر۔ شاہدِ اسلام پہ قرباں ہو جا

عالمگیرِ اعظم رح

اے نگینِ خاتمِ تیمور! فخرِ گورگاں!
شوکتِ اسلام! محی الدّیں! شہِ ہندوستاں!
تیری سطوت سے لرزتے تھے در و دیوارِ ہند
اے امامِ غازیاں! اے کارواں سالارِ ہند
دشمنوں کو تھی تری تلوار پیغامِ اجل
تھرتھرا اُٹھتے تھے جس کے خوف سے دشت و جبل
تُو بپھرتا جنگ میں شیرِ نیستاں کی طرح
اور لڑتا رستم و سام و نریماں کی طرح
کفرزارِ ہند گونج اُٹھا تری تکبیر سے
شانِ مُسلم عرش پر پہنچی تری شمشیر سے

جیشِ حق بڑھتا تھا جب باطل کے استیصال کو
فتح و نصرت دوڑتی آتی تھی استقبال کو
تُو وہ تھا جانباز۔ وہ سرشارِ صہبائے حجاز
بلخ میں جس نے پڑھی تیروں کی بارش میں نماز
کم سنی میں اِس قدر شہ زور تھا۔ بیباک تھا
آگرہ میں مست ہاتھی سے ہوا جنگ آزما
بارگاہِ عدل میں یکساں تھے آقا و غلام
غازۂ رُوئے حکومت تھا ترا حُسنِ نظام
تُو رواداری کا پیکر تھا۔ تعصّب سے بری
شاہدِ عادل ہیں تیرے واقعاتِ زندگی
ظلم کی تہمت تراشیں تجھ پہ گو اعدائے دیں
ہے مگر تاریخ تیرے حق میں بُرہانِ مُبیں

باغ ویراں کر نہیں سکتی صدائے بوم و زاغ
بجھ نہیں سکتا کبھی پھونکوں سے سورج کا چراغ

یادگارِ قرنِ اوّل تھی گلہ دوزی تری
اللہ اللہ یہ شہنشاہی تھی۔ یہ روزی تری
طاعتِ حق۔ خدمتِ مخلوق تیرا کام تھا
مختصر یہ ہے۔ کہ تُو اک پیکرِ اسلام تھا
بحرِ علم و فضل کا تُو گوہرِ نایاب تھا
اور گردونِ عمل کا مہرِ عالمتاب تھا
زیب اور زینت محاسن تیری ذاتِ بے ریا
ہند کے شاہانِ مُسلم میں ترا ثانی نہ تھا
تُو نے روشن کی دِلِ مُسلم میں ایسی شمعِ دیں
تندیِ بادِ حوادث سے جو بجھ سکتی نہیں

اسوۂ اخلاق تیرا کیا تجلّی بار ہے
ملّتِ بیضا تری تقلید میں سرشار ہے

ابرِ رحمت تیرے مرقد پر گہر باری کرے
حشر میں شانِ کریمی ناز برداری کرے
تیری روحِ پاک پر ہو ظلِّ دامانِ رسولؐ
خادمِ اسلام! اے فخرِ غلامانِ رسولؐ!

زینتِ تختِ حکومت ہیں جو مُسلم تاجدار
مسلکِ اورنگ زیبی پر اگر ہوں استوار
اُمّتِ مرحوم کی قسمت بدل سکتی ہے آج
جو قضا منڈلا رہی ہے سر پہ ٹل سکتی ہے آج
مُسلمِ غازی! حریفِ گردشِ تقدیر بن
توڑ کر رکھ دے صفِ الحاد عالمگیر بن

سلطانِ دکن

دہلی! ہو مبارک تجھے یہ اوجِ مقدّر
تاباں ہے اُفق پر ترے اُمید کا اختر
رشکِ مہِ انور

یعنی ترے مہماں ہوئے عثمان علی خاں
سلطانِ دکن۔ آصفِ ہفتم۔ جمِ دوراں
روشن گرِ ایماں

جو علم ہے جو فن۔ یہیں پھولا ہے۔ پھلا ہے
ہارونِ رشید آپ کو کہئے تو بجا ہے
بے شبہ ہوا ہے

گہوارۂ اُردو ہے اگر گلشنِ دہلی
ہے آپ کی ذات اس کی نگہدار و مربّی
آغوشِ ترقّی

ہر ہندو و مُسلم ہے ثنا خوانِ حکومت
العظمۃ للہ یہ ہے شانِ حکومت
یہ آنِ حکومت

اللہ ریاست ہیں یہ اصلاح و ترقّی
گردوں نے یہ رفعت نہ سُنی اور نہ دیکھی
با ایں ہمہ پیری

اخلاقِ حمیدہ حدِ تعریف سے بالا
فخر آپ پہ کرتی ہے بجا ملّتِ بیضا
اے دین کے شیدا!

دل آپ کا عشقِ شہِ کونینؐ کا مسکن
ہمدردیِ اسلام ہے آفاق پہ روشن
اے قوم کے ماٰمن!

موجود محاسن ہیں غرض آپ میں سارے
مخدوم بھی۔ محبوب بھی ہیں آپ ہمارے
ہیں جان سے پیارے

ہر لحظہ دُعا ہے کہ رہیں آپ سلامت
ہو رُو بہ ترقّی یہ تجمّل یہ حکومت
تا روزِ قیامت

اعدائے بد اندیش ہوں رسوا و نگونسار
احبابِ وفا کیش مئے عیش سے سرشار
مقصود سے دوچار

بانگِ درا

جو مُسلم ہے تو ہمرنگِ شہیدِ کربلا ہوجا
جو عاشق ہے تو معشوقِ خلافت پر فدا ہوجا
عمرؓ کے واقعاتِ زندگی کا باندھ شیرازہ
صلاح الدینؒ و خالدؓ کا ہو آئینِ کہن تازہ
بھٹکتا کس لئے پھرتا ہے سودائے حکومت میں
عمل کا درس جاری کر دبستانِ محبّت میں
جمودیّت کے قالب میں وہ موجِ برق ہو پیدا
کہ لوہا مان جائیں سب تری شمشیرِ ہمّت کا
جو شوقِ منزلِ مقصود ہیں تُو جادہ پیما ہو
تو مقراضِ کفِ پا قاطعِ دامانِ صحرا ہو

ضیائے نیرِ اُمید پھیلا دے زمانے میں
ہے اک خرمن نہاں کشتِ عمل کے دانے دانے میں
عمل کے پر لگا کر بازوؤں میں چرخ پیما ہو
نکل تحت الثریٰ سے اور ہمدوشِ ثریّا ہو
صدائے حق سے ہر گوشِ گراں کو آشنا کر دے
فضائے دہر میں ہنگامۂ محشر بپا کر دے
جو ہر تارِ نفس تارِ ربابِ شوق بن جائے
سرودِ دلنشیں سُن سُن کے دُنیا وجد میں آئے
اگر تُو مدّعی ہے ضبط کا۔ لب پر فغاں کیوں ہے
گلہ کر اپنے دل سے۔ شکوہ سنجِ آسماں کیوں ہے
تجھے کیا ڈر جو کشتی میں کوئی پوشیدہ دشمن ہے
ترا ہر موجۂ بحرِ عمل طوفاں بدامن ہے

ذرا پھر چھیڑ مضرابِ عمل سے سازِ ہستی کو
بنا ہنگامہ زارِ نغمہ اِس سنسان بستی کو
تجھے کیوں صورتِ موسیٰؑ تجلّی کی تمنّا ہے
تری مٹّی کے ہر ذرّے سے برقِ طُور پیدا ہے
افق افروز وہ نکلا ستارہ صبحِ عشرت کا
یہ اک پیغام بر گویا ہے خورشیدِ سعادت کا
پتہ منزل کا دے گا گمرہوں کو رہنما ہو کر
مرا ہر شعر گونج اُٹھّے گا آوازِ درا ہو کر

پیغامِ عمل

اُٹھ۔ سبک گامِ عمل ہو جادۂ تدبیر میں
وقت کب تک کھوئے گا تحریر میں تقریر میں

لطمۂ موجِ حوادث سیلیِ استاد ہے
گوش بر آواز ہو۔ بھولا سبق کچھ یاد ہے؟

ہے اگر تلخی فراقِ شاہدِ مقصود میں
منہمک ہو جستجوئے نعمتِ مفقود میں

جستجو ہی جب نہیں۔ پھر ناشکیبائی ہے کیوں
یہ اُمید و بیم کی ہنگامہ آرائی ہے کیوں

کس لئے خوفِ عدو سے لرزہ بر اندام ہے
کیا نہاں چینِ جبیں میں بھی کوئی صمصام ہے؟

کیوں ہے زندانِ مصیبت میں تُو آتش زیرِ پا
امتحانِ وقت کی ہر بات ہے صبر آزما
قالبِ یادِ شہیداں خون سے گُل پوش ہے
ذرّہ تیری خاک کا صد طُور در آغوش ہے
سوزشِ پروانہ دیتی ہے تجھے درسِ وفا
وصلِ شمع آرزو میں جان تک کر دے فدا
آہ! تُو دُردی کشِ صہبائے جامِ غیر ہے
اپنے ساقی سے مگر بیگانگی ہے۔ بَیر ہے
رات گزری۔ سو چکا بہرِ خدا ہشیار ہو
دھوپ آئی۔ خوابِ غفلت سے بس اب بیدار ہو
رہروانِ زندگی کی تیز رفتاری تو دیکھ
محشرِ نظم و عمل کی گرم بازاری تو دیکھ

جو ہوتے ہیں لذّتِ ذوقِ عمل سے آشنا
آگے بڑھ کر خنجرِ قاتل پہ رکھتے ہیں گلا
سینچ لے خونِ جگر سے کشت زارِ مدّعا
بجلیوں کے دم سے ہے اِس باغ کی نشو و نما
یہ کہوں کیونکر کہ روحِ زندگی تُجھ میں نہیں
نام چمکے جس سے وہ تابندگی تُجھ میں نہیں
ذوالفقار اب بھی ہے لیکن آہ از زنگ آلود ہے
آئینہ تنظیم کا یکسر غبار اندود ہے
منزل آپ آئے گی چل کر۔ بادیہ پیما تو ہو
سلطنت زیرِ قدم ہو گی جہاد آرا تو ہو

بیدار ہو مُسلم!

بیدار ہو۔ بیدار ہو۔ بیدار ہو مُسلم! بیدار ہو مُسلم!

اے مسلمِ ہندی! ترا اِسلام کدھر ہے
کچھ پاس محمدؐ کا نہ اللہ کا ڈر ہے
اک کفر کا لشکر ہے کہ آمادۂ شر ہے
خطرے میں ہے ناموسِ نبیؐ۔ تجھ کو خبر ہے؟

اُٹھ۔ سر سے کفن باندھ کے تیّار ہو مُسلم! بیدار ہو مُسلم!
بیدار ہو۔ بیدار ہو۔ بیدار ہو مُسلم! بیدار ہو مُسلم!

ہنگامۂ محشر حق و باطل میں ہے برپا
ہر ذرّہ ہُوا آج ترے خون کا پیاسا

ہر سمت ہے گو موج زن اک آگ کا دریا
کیا خوف کہ پروردہ ہے تو آتش و خوں کا
یہ حشر کا میدان ہے۔ ہشیار ہو مسلم! بیدار ہو مسلم!
بیدار ہو۔ بیدار ہو۔ بیدار ہو مسلم! بیدار ہو مسلم!

ہاں عشقِ محمدؐ کا ذرا سوز دکھا دے
باطل کدۂ دہر میں اک آگ لگا دے
اے آتشِ دیں! شرک کے خرمن کو جلا دے
ہر دشت میں وحدت کا چمن زار کھلا دے
توحید و رسالت کا علم دار ہو مسلم! بیدار ہو مسلم!
بیدار ہو۔ بیدار ہو۔ بیدار ہو مسلم! بیدار ہو مسلم!

کس زور سے اُمڈا ہے وہ سیلابِ فنا دیکھ
موجوں کا وہ شور اور وہ تاریک فضا دیکھ

وہ کام نہنگ اور وہ گردابِ بلا دیکھ
دل ڈوب نہ جائے کہیں اے مردِ خدا دیکھ

اِس بادِ مخالف سے خبردار ہو مُسلم! بیدار ہو مُسلم!
بیدار ہو۔ بیدار ہو۔ بیدار ہو مُسلم! بیدار ہو مُسلم!

صاحبِ معراج صلی اللہ علیہ وسلم

اے آنکہ ذاتِ تو سببِ خلقِ کائنات
یک پرتوِ تو چہرہ برافروزِ شش جہات
قرآنِ پاک معجزۂ بے مثالِ تو
اے اُمیّیے کہ از تو فصیحانِ دہر مات
شہنائے لاالٰہ دمیدی چو در حجاز
یکسر بباد رفت صنم زارِ کائنات
از خاکِ کفر دانۂ اسلام سر کشید
لبریز شد ز نعرۂ توحید سومنات

گفتارِ تست چشمۂ تہذیبِ خلق را
کردارِ تست خضرِ رہِ منزلِ حیات
"بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر"
اے لطفِ عامِ تو بہ جہاں مژدۂ نجات
ہر دو زدند حرف بہ حسنِ ازل و لے
"موسیٰ ز ہوش رفت بیک جلوۂ صفات
تو عینِ ذات می نگری در تبسمی"

اُٹھ مسلمِ غیور!

(سنہ ۱۹۲۱ء)

اُٹھ مسلمِ غیور! شجاعت شعار کر
شیرِ خدا کا طرزِ عمل اختیار کر

کیوں فرطِ غم سے آنکھ تری دجلہ ریز ہے
خونِ جگر سے بیتِ حزن لالہ زار کر

جوہر دکھا دے دستِ مساوات وعدل کے
دامانِ امتیاز و جفا تار تار کر

دل میں جو ہے تلاطمِ جذباتِ انقلاب
مُردہ تنوں کو برق صفت بیقرار کر

سازِ نفس کو زخمۂ جوشِ عمل سے چھیڑ
ساکن فضائے دہر کو ہنگامہ زار کر

ہمت نہ ہار۔ وقت ہے یہ امتحان کا
آفات کا مقابلہ مردانہ وار کر
ٹرکی۔ جزیرۃ العرب و شام و قیرواں
کہتے ہیں سرگزشتِ مصیبت پکار کر
تاراج ہو رہا ہے خلافت کا گلستاں
اتنا ستم نہ اے فلکِ کج مدار کر
بالا ہے بول کفر کا اسلامبول میں
یارب ستمگروں کو نگونسار و خوار کر
اغیار ہیں تخمیس و سمرنا پہ حکمراں
ترکوں کی حق رسی مرے پروردگار کر
احرار تیری راہ میں لڑتے ہیں اے خدا!
لیلائے آرزو سے انھیں ہمکنار کر

سکّہ چلے جہاں میں مساوات و عدل کا
بیڑا تباہ ظلم کا اے کردگار! کر

اے ہمنفس! نہ کر گلۂ جورِ آسماں
پنہاں جو قوّتیں ہیں انھیں آشکار کر

ایثار مسلموں کا ہے طغرائے امتیاز
حسنینؓ کا طریقِ عمل اختیار کر

ہر معرکے میں قوّتِ بازو سے کام لے
ہمسائے کی مدد کا نہ کچھ اعتبار کر

آتی ہے قبرِ خالدؓ جانباز سے صدا
اسلام کا بحال وہی اقتدار کر

ایثار کر جو پیروِ میرِ حجازؐ ہے
اسلام کی بقا کا یہی ایک راز ہے

زندگی

خونِ دل سے ہے نموئے لالہ زارِ زندگی
ہے خزانِ زندگی گویا بہارِ زندگی

یہ کشاکش ہائے پیہم زندگی کی جان ہیں
امتحان و ابتلا ہے اعتبارِ زندگی

عشق شانِ زندگی ہے۔ زندگی ہے شانِ عشق
کامگارِ عشق ہے بس کامگارِ زندگی

عشق و دل ہیں زندگی کی ابتدا و انتہا
عشق رازِ زندگی دل رازدارِ زندگی

سر بکف ہو کر شہادت زارِ آزادی میں آ
اے طلبگارِ حیات! اے بیقرارِ زندگی!

کاوشِ سود و زیاں ہے ننگِ ناموسِ حیات
ہمّتِ عالی سے قائم ہے وقارِ زندگی
ذرّہ ذرّہ تیری کرنوں سے ضیا اندوز ہو
آفتابِ زندگی! ہاں کائنات افروز ہو

زمزمۂ حیات

چشمِ دل وا کر ذرا اے دشت پیمائے حیات
دیکھ ذرّہ ذرّہ ہے ہنگامہ آرائے حیات

نجدِ بے پایانِ آزادی میں ہو گرمِ سفر
آپ آئے گی قدم لینے کو لیلائے حیات

روحِ مذہب۔ قوّتِ بازو۔ حکومت۔ اتّحاد
ان عناصر سے بنا اک اور دنیائے حیات

بندگی کا خرقۂ دیرینہ کردے تار تار
ہو قبائے خواجگی میں مسند آرائے حیات

بندِ غفلت توڑ اے محبوسِ آبادی نشیں!
بیقرارِ نقشِ پا ہے ریگِ صحرائے حیات

کیوں پڑا ہے پردۂ مژگاں نگاہِ شوق پر
دیکھ اے غافل! ترا سینہ ہے سینائے حیات
عشق کے آزاد نغموں سے فضا معمور کر
تشنۂ مضراب ہے سازِ تمنائے حیات
آگ ہے۔ زنداں ہے۔ کوہِ بے ستوں ہے۔ دار ہے
دیکھ۔ کس درجہ گراں قیمت ہے سودائے حیات
مشعلِ دیں لے کے ہو ہمّت کی کشتی پر سوار
ہے فضا تاریک۔ طوفاں خیز دریائے حیات
مسلکِ فاروقؓ ہے خضرِ طریقِ زندگی
سطوتِ اسلام ہے رازِ معمّائے حیات
طوق و زنجیرِ غلامی توڑ کر آزاد ہو
کشورِ حرّیتِ اسلام میں آباد ہو

مناظرۂ چشم و گوش

علی الصّباح اُٹھا ایک روز بستر سے
یونہی میں سیرِ چمن کے لئے چلا گھر سے
اِدھر اُدھر کے نظاروں کا لطف اٹھاتا تھا
کبھی غزل کا کوئی شعر گنگناتا تھا
اک ایسے گلکدۂ پُر فضا میں جا نکلا
کہیں جو رشکِ جنّت اُسے تو ہے زیبا
اُبھار پر تھا عروسِ بہار کا جوبن
شجر نہال تھے۔ گُل پوش تھا چمن کا چمن
جو سبز باغ دکھاتا تھا باغ کا سبزہ
تو دل کو وجد میں لاتا تھا پھول کا جلوہ

غمِ زمانہ سے حاصل مجھے فراغ ہُوا
یہ رنگ دیکھ کے دل میرا باغ باغ ہُوا
میں چشمِ دل سے ابھی محوِ سیرِ گلشن تھا
کہ گوشِ ہوش میں اک شور سا سُنائی دیا
مناظرہ گُل و نرگس میں ہو رہا تھا وہاں
جو لکھ گیا ہے کوئی نکتہ سنج اہلِ زباں
مرے قلم نے دکھائی مجھے جو راہِ گریز
کیا سمندِ تخیّل کو میں نے بھی مہمیز
خدا کی شان اک اعلیٰ مقام پر پہنچا
بنائے فطرتِ انساں کے بام پر پہنچا
جہاں مناظرۂ چشم و گوش ہوتا تھا
جو آنکھ نے کبھی دیکھا۔ نہ کان نے تھا سُنا

فلاسفر بھی تھے۔ شاعر بھی تھے وہ دونوں فریق
نئی زبان۔ انوکھا بیاں۔ غضب کا طریق
نگاہ اُن کی جو مجھ پر پڑی سلام کیا
معاف بے ادبی کہ کے پھر کلام کیا
غرض تعارفِ رسمی کے بعد یوں بولے
ہماری بحث کی جانب ذرا خیال رہے
قبول عرض یہ حسبِ مراد ہو جائے
اِدھر بھی اک نظرِ انتقاد ہو جائے
زمانہ بھر میں ہے تنقید آپ کی مشہور
جو آپ فیصلہ کر دیں۔ ہمیں وہ ہے منظور
مباحثے کا نئے سر سے ہو گیا آغاز
کہا یہ آنکھ نے اُٹھ کر بصد کرشمہ و ناز

خطاب چشم کا تجھ سے ہے سُن ذرا اے گوش!
ورودِ شاہدِ مضموں ہے۔ کھول دے آغوش

چشم

عروسِ صنعتِ معبود کا سنگار ہوں میں
ریاضِ عالمِ ایجاد کی بہار ہوں میں
تجلّیِ رُخِ خوبانِ گلعذار ہوں میں
تسلّیِ دلِ عشّاقِ بیقرار ہوں میں
فروغِ چہرۂ خوبانِ نازنیں میں ہوں
کبھی ہوں زہر۔ کسی وقت انگبیں میں ہوں
اگر پلک ہے صدف۔ دُرِ شاہوار ہوں میں
نظر کی حد ہے جو اقلیم۔ شہریار ہوں میں
جمالِ یار ہے اک آئینہ۔ میں جوہر ہوں

وہ میرا آئینہ پرداز۔ میں سکندر ہوں
پری ہوں۔ حور ہوں۔ محبوبِ دل نواز ہوں میں
اُٹھائے حُسن جیسے شوق سے وہ ناز ہوں میں
غضب ہوں۔ قہر و ستم ہوں۔ بلا ہوں۔ آفت ہوں
جو گوشے گوشے میں محشر ہے۔ وہ قیامت ہوں
اگر میں دستِ تحکّم ذرا دراز کروں
تو اک اشارے میں محمود کو ایاز کروں
وہ جس کا اک لقب آہوئے شیر افگن ہے
وہ جس کی گرم نگاہی سے نرم آہن ہے
وہ جس کا سحر کرے سامری کو بھی مسحور
وہ جس کی بزم ہے بابل کے نام سے مشہور
وہ جس نے قدرتِ حق کا ظہور دیکھا ہے

وہ جس سے نے وادیِ ایمن کا نور دیکھا ہے
وہ جس نے حسن میں لیلا کا نام ابھارا ہے
وہ جس نے قیس کو مجنوں بنا کے مارا ہے
وہ جس کی نیم نگاہی سے نیمچہ ہے دو نیم
وہ جس کو جھک کے کریں خنجر و سناں تسلیم
وہ جس کے شوقِ نظارہ میں آنکھیں پتھرائیں
وہ جس کو دیکھنے تا تار سے غزال آئیں
وہ تیر جس کا نشانہ ہو خاطرِ عشاق
وہ تیغ جس کی جراحت کا دل رہے مشتاق
پلک جھپکنے میں جو لاکھ میل تک جائے
نگاہ اٹھتے ہی انجم کی جو خبر لائے
کمند عرش پہ جو پھینکے ہیں وہ کافر ہوں

نظر کے تار پہ جو دوڑے۔ ہیں وہ ساحر ہوں
سمندِ عزم نے میرے جو پتلیاں جھاڑیں
بھرے غبارِ نگہ سے یہ آسمان و زمیں
سُنا تو ہوگا کہ آنکھیں عجیب نعمت ہیں
یہ بے مثال کی اک بے مثال صنعت ہیں
کسی کو رنج ہو۔ آئے کسی پہ غم کی گھڑی
بہا کے اشک بناتی ہوں موتیوں کی لڑی
نصیب کس کو یہ عزت ہے۔ کس کا ہے یہ وفا
ملے گی حشر کے دن مجھ کو دولتِ دیدار

گوش

یہ سُن چکا ہمہ تن گوش ہو کے سب تقریر
غضب کی چشمِ سخن گو نے کھینچ دی تصویر

ادب سے میری بھی ہے عرض شاعرِ ذیشاں
سخن شناس و محقق۔ بلیغ و سحر بیاں
میں وہ ہوں جس نے ازل میں سُنی صدائے الست
اسی کے نغمہ شیریں سے آجتک ہوں مست
مرے بغیر ہو بے نُطق قالبِ انساں
جو میں نہ ہوں۔ تو ابھی گُنگ ہو تمام جہاں
جو میرے فیض سے بے بہرہ ہے۔ وہ بہرا ہے
مقابلہ کرے مجھ سے۔ یہ کس کا زہرا ہے
میں سازِ حُسن کا سنتا ہوں نغمۂ دلکش
جو اہلِ حال سنیں۔ سر دُھنیں کریں عش عش
جو راگنی کوئی چھیڑیں طیورِ خوش الحاں
تو کچھ نہ پوچھئے۔ ہوتا ہوں اُس گھڑی میں کہاں

جو نغمہ میں نے سنا ہے۔ کبھی وہ سُن لے اگر
تو چرخ سے گرے ناہید وجد میں آکر
وہ آبشاروں کا پیہم ترنّمِ شیریں
وہ آبجوؤں کی دھیمی نوائے سحر آگیں
وہ شاخِ گُل پہ عنادل کے چہچہوں کی بہار
تذرو و کبک کے پُر کیف قہقہوں کی بہار
ہے برق سے بھی فزوں پی کہاں پپیہے کی
نہ دیکھی ہو گی اُسیں آنکھ نے چمک ایسی
وہ آئی کان میں کویل کی دلفریب آواز
سمجھ گیا کہ ہے آموں کی فصل کا آغاز
ہُوا جو چشم کو احساسِ ہفت رنگ عطا
مجھے کریم نے ادراکِ صد نوا بخشا

جو کور ہیں اُنھیں ہرگز کوئی ملال نہیں
نظر نہ ہو تو یہ کچھ مانعِ کمال نہیں
تھا نیّرِ فلکِ نکتہ آوری ہومر
محیطِ شعر و سخن کا تھا بے بہا گوہر
غضب کا شاعرِ جادو نگار ملٹن تھا
ذکا و علم و ہنر کا وہ ایک مخزن تھا
عرب میں ایک تھا اعشیٰ سخنورِ یکتا
دیارِ شعر میں سکّہ اُسی کا چلتا تھا
تھا رودکی ابوالآبائے شاعرانِ عجم
اُڑا جہان میں اُس کے کمال کا پرچم
تھا سُور داس بھی دُنیا کے باکمالوں میں
یگانہ مادرِ گیتی کے نونہالوں میں

اخیر وقت میں جرأت تھا پہلوانِ سخن
ظریف۔ شاعرِ عالی دماغ۔ ماہرِ فن
یہ سب کے سب تھے مگر اے حریف! نابینا
مرے ہی دم سے ہوئے بے عدیل و بے ہمتا
مرے وجود سے کون و مکاں ہے پُر آواز
جو میں نہ ہوں۔ تو صدا دے سکے نہ پردۂ ساز

محاکمۂ شاعر

بیانِ چشم کا بھی لاجواب ہے بیشک
دلیل گوش کی بھی انتخاب ہے بیشک
نہ ہو جو آنکھ تو ہو کائنات تیرہ و تار
نہ ہو جو کان تو چھایا رہے سکوتِ مزار

کسی فریق سے ہرگز مجھے ہراس نہیں
کسی سے لاگ نہیں کچھ۔ کسی کا پاس نہیں
جو چشم آئینۂ بزمِ کُن کا جوہر ہے
تو گوش بھی صدفِ زندگی کا گوہر ہے
وجود دونوں کا یکساں مفیدِ انساں ہے
جو کوئی ایک کو ترجیح دے۔ وہ ناداں ہے
کہوں گا بات میں انصاف سے خدا لگتی
یقین مانو۔ نہ رکھوں گا کچھ لگی لپٹی
جو چشم دیکھتی ہے نیک و خوب تر منظر
تو ہر حریف سے اپنے ہے بالیقیں بہتر
زیادہ نیک جو باتیں سُنے۔ تو گوش اچھا
پھر اس کے آگے کوئی پھُول پھل نہیں سکتا

آہ میرا بچپن

خوشا وہ عالمِ طفلی کہ غم سے تھا آزاد

زہے وہ دورِ مسرّت۔ خوشے وہ عہدِ مُراد

وہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا۔ وہ پھوار ساون کی

بہارِ خلد بھی اس پر نثار ہوتی تھی

مزے مزے سے مجھے زمزمے سناتی تھی

تھپک تھپک کے نسیمِ سحر سُلاتی تھی

بڑے مزے سے میں سوتا تھا گود میں ماں کی

جہاں کا غم تھا۔ نہ کچھ فکر دین و ایماں کی

تھی برشگال میں قوسِ قزح مرا جھُولا

شفق کو دیکھ کے بے اختیار اچھلتا تھا

یہ مشتری تھا کبھی میری آنکھ کا تارا
یہ چاند میرا کھلونا تھا ایک چاندی کا
یہ آرزو تھی۔ مرے ہمنشیں ہوں سیارے
اُتار لاؤں ابھی آسمان سے تارے
جو توڑتا کبھی شاخوں سے نیم وا غنچے
تو غور سے کبھی سنتا طیور کے نغمے
جو گاہ حُسنِ گُل و سرو پر فدا ہوتا
تو گاہ بلبل و قمری کا ہم نوا ہوتا
جو آئینے میں کبھی دیکھتا میں عکس اپنا
تو چُوم چُوم کے ہنس ہنس کے دل کو بہلاتا
میں گھر کے صدرِ حکومت میں کر رہا تھا راج
جو تخت گود تھی ماں کی۔ تو سایہ باپ کا تاج

اسیرِ گیسوئے خوبانِ گلعذار نہ تھا
قتیلِ خنجرِ حُسنِ جفا شعار نہ تھا
میں عشق ہیں صفتِ برق بیقرار نہ تھا
خدنگِ چشمِ حسیناں جگر کے پار نہ تھا
کسی کا تھا شبِ وعدہ نہ اِنتظار مجھے
کسی کی یاد نہ کرتی تھی بیقرار مجھے
کسی کا ذکرِ محبّت ستم نہ ڈھاتا تھا
کسی کا ہجر نہ مجھ کو لہو رُلاتا تھا
نہ آہِ نیم شبی تھی۔ نہ بسترِ غم تھا
نہ آرزوؤں کے مدفن پہ وقفِ ماتم تھا
نہ تھا ذرا مجھے احساسِ خلوت و جلوت
کبھی سرور تھا پہلو نشیں۔ کبھی راحت

ذرا بھی کاوشِ سود و زیاں نہ تھی مجھ کو
کوئی بھی فکر اذیّت رساں نہ تھی مجھ کو
نہ ذرّہ بھر کسی حاکم کا سر پہ تھا احساں
نہ رکھتی تھی مجھے فکرِ معاش سرگرداں
نہ پیشِ غیر میں کرتا دراز دستِ سوال
نہ دِل تھا غیر کے طعنوں سے سربسر غربال
نہ یوں مصائبِ دُنیا سے تنگ آیا تھا
نہ خوفِ مرگ مرے جسم و جاں پہ چھایا تھا
پسندِ شیخ جو ہے۔ وہ مئے طہُور تھا میں
چمن سرائے زمانہ میں جُوئے نور تھا میں
وہ سادگی کہ فرشتوں کو پل میں رام کرے
شرارتیں وہ کہ شیطان بھی سلام کرے

میں کیا بتاؤں کہ کیا دور تھا وہ بچپن کا
نمونہ ایک تھا گویا بہارِ گلشن کا
زمانہ آہ جو بچپن کا یاد آتا ہے
تو سانپ سا مرے سینے پہ لوٹ جاتا ہے
کسی کے ہجر میں وقفِ عذاب کر کے مجھے
شہیدِ تیغِ غم و اضطراب کر کے مجھے
"اسیرِ پنجۂ عہدِ شباب کر کے مجھے
کہاں گیا مرا بچپن خراب کر کے مجھے"

سالِ نو

مژدۂ سالِ نو ہوا نغمہ سرائے زندگی
وقت نے بدلی کینچلی
روح میں آئی تازگی
فصلِ بہار آگئی
پھر ہوئی شاخِ دل ہری
مژدۂ سالِ نو ہوا نغمہ سرائے زندگی
نغمہ سرائے زندگی مژدۂ سالِ نو ہوا
چھیڑ ترانہ وقت کا
دیکھ بدل گئی ہوا

سازِ عمل بجائے جا

تال نئی ہو سُر نیا

نغمہ سرائے زندگی مژدۂ سالِ نو ہوا

مُژدۂ سالِ نو ہوا نغمہ سرائے زندگی

پھینک دے طوقِ بندگی

اوڑھ عبا حُسینؑ کی

توڑ طلسمِ سامری

بن کے عصائے موسوی

مژدۂ سالِ نَو ہوا نغمہ سرائے زندگی

نغمہ سرائے زندگی مژدۂ سالِ نو ہوا!

یہ ہے زمانِ ابتلا

کر نہ حریف کا گلا

کانٹوں بھرا ہے راستا
آگے قدم بڑھائے جا
نغمہ سرائے زندگی مژدہ سالِ نو ہُوا
مژدۂ سالِ نو ہُوا نغمہ سرائے زندگی
چمکے گا مہرِ خاوری
بھاگے گی شب کی تیرگی
خیبرِ کُفر ڈھائے گی
قوّتِ بازوئے علیؓ
مژدۂ سالِ نو ہُوا نغمہ سرائے زندگی
نغمہ سرائے زندگی مژدۂ سالِ نو ہُوا
قوم کا تفرقہ مٹا
ہند کو راہِ حق دکھا

دین کے نور سے بنا
اپنے لئے جہاں نیا
نغمہ سرائے زندگی مژدۂ سالِ نو ہوا

بلبلِ اسیر

اے پھول بتا للہ کس شاخ کی زینت ہے
کس باغ میں یاروں سے ساغر کشِ عشرت ہے
اک بلبلِ پربستہ صیّاد کے بس میں ہے
بے جرم و خطا قیدی جلّاد کے بس میں ہے
اللہ وہ دن بھی تھے جب عیش کا ساماں تھا
گلزار کا ہر گوشہ فردوس بداماں تھا
سبزے کا وہ نظّارہ تھا روح فزا کیسا
اک فرش زمرّد کا تھا صحنِ چمن گویا
اک برقِ تجلّی تھی جنبش گُلِ احمر کی
سبزے کا وہ لہرانا موجیں یمِ اخضر کی

تھا سدرہ و طوبیٰ کا ہمسر نخلِ چمن ہمسر
ندی کی روانی تھی خجلت دہِ صد کوثر
نرگس کی نگہبازی۔ سوسن کی وہ لسانی
انداز وہ نسریں کا۔ شوخی گلِ لالہ کی
غنچوں کا چٹکنا کیا۔ پھولوں کا مہکنا کیا
پتّوں کا کھڑکنا کیا۔ شاخوں کا لچکنا کیا
اک طرفہ تماشا تھا نیرنگیِ قدرت کا
ہر برگِ چمن گویا سرچشمۂ راحت تھا
مرغانِ خوش الحاں کا ہونا وہ نوا پیرا
دیوار و درِ گلشن پر وجد کا عالم تھا
سرشار فضائیں تھیں صحنِ چمنستاں کی
ہر لے مرے نغمے کی میخانہ بدامن تھی

ہر سُو تھا غرض چرچا میرے ہی ترانوں کا
میں رُوح تھا پھولوں کی۔ میں رونقِ گلشن تھا
اُف! میرے نشیمن پر کس وقت گری بجلی
جب اُس گلِ رعنا نے چہرے سے نقاب اُلٹی
صیّاد نے پہلے تو اک تیرِ جفا مارا
زندانِ قفس میں پھر لایا وہ ستم آرا
اب آہ! میں جکڑا ہوں زنجیرِ مصیبت میں
کٹتی ہے جدائی میں۔ اندوہ میں۔ آفت میں
اب رنگ دگرگوں ہے گلہائے تمنّا کا
مالی نے کبھی گھورا۔ گلچیں نے کبھی تاکا
جس باغ میں نغموں سے ہنگامۂ شادی تھا
اب بُوم کا مسکن ہے۔ عالم ہے وہاں ہُو کا

جس باغ کی آرائش جنّت سے فزوں تر تھی
ویرانِ بیاباں ہے۔ اب فصل ہے پت جھڑ کی
جلوہ گُلِ رعنا کا بلبل کو دکھا یا رب
فرقت زدہ مجنوں کو لیلا سے مِلا یا رب
اُڑ جاؤں قفس لے کر دے ایسی توانائی
سُنتا ہوں کہ گلشن میں پھر فصلِ بہار آئی

بانسری بجائے جا

اے حسینِ کوہسار! بانسری بجائے جا
شام ہے سکوں فروش
کائنات ہے خموش
وادیاں ہیں سبز پوش
پھول ہیں سبو بدوش
چھیڑ نغمۂ سروش
اے بہشتِ چشم و گوش!
آتشیں نواؤں سے آگ سی لگائے جا
اے حسینِ کوہسار! بانسری بجائے جا

نغمہ خیز آبشار
مستِ رقص جوئبار
وجد میں ہے کوہسار
کھل رہا ہے لالہ زار
اے ترانۂ بہار!
اے نوائے بے قرار!
سازِ کیف و سوز کے زمزمے سنائے جا
اے حسینِ کوہسار! بانسری بجائے جا
چھیڑ کوئی راگنی
سوزِ عشق سے بھری
نغمۂ الست کی
ایک لَے ہو بانسری

ہو کے مستِ بیخودی
ناچتی ہو زندگی
حُسن کی فضاؤں میں عشق کو اُڑائے جا
اے حسینِ کوہسار! بانسری بجائے جا
یہ صدائے دل نواز
یہ نوائے جاں گداز
اے نگارِ نے نواز!
اے طلسمِ سوز و ساز!
ہاں اُٹھا نگاہِ ناز
دے نویدِ امتیاز
قلزمِ سرور میں رُوح کو بہائے جا
اے حسینِ کوہسار! بانسری بجائے جا

یہ فضائے دلکشا
یہ بہارِ عشق زا
حسُن سرخوشِ ادا
مستِ بادۂ غنا
بانسری کی یہ صدا
زندگی کی ہے نوا
نغمہ ہائے جاں‌فزا۔ گائے جا۔ سُنائے جا
اے حسینِ کوہسار! بانسری بجائے جا

کہکشاں

حسن و جمال تیرا دلکش ہے دلربا ہے
اے آسماں کی زینت! اے کہکشاں! تو کیا ہے
ہے جوئے نور جاری افلاک کے چمن میں
مے کی رواں ہے کشتی رندوں کی انجمن میں
تصویر ہے ادا کی، نقشہ ہے بانکپن کا
سایہ ہے یا کسی کے گیسوئے پرشکن کا
ہے نور کا ترشح خمخانۂ فلک پر
یا جھولتی ہیں جھولا حوران ماہ پیکر
بکھرے ہوئے کہاں ہیں یہ آسماں پہ تارے
افشاں گری کسی کے گیسوئے عنبریں سے

اقلیمِ نور کی ہے یا کوئی شاہزادی
دریائے نیل میں سے غوطہ لگا کے نکلی
اک شوخ نازنیں کی انگڑائی کا ہے نقشا
یا قہقہہ کسی کی آوازِ نقرئی کا
حورانِ سیمبر نے رُخ سے نقاب اٹھالی
رقّاصۂ فلک نے یا مانگ ہے نکالی
شب ہائے ہجرِ عاشق کا ہے یہ اک فسانہ
یا شاعرِ ازل کی ہے بیتِ عاشقانہ
جلوہ فگن فلک پر تنویرِ کہکشاں ہے
خنجر بدست شاید جلّادِ آسماں ہے
موجِ خرامِ نازِ دلدار ہے یہ شاید
شاہنشہِ جہاں کا دربار ہے یہ شاید

نیلم کے تخت پر ہے یہ کون جلوہ فرما
جس کی جلو میں حاضر ہیں شاہ کیا گدا کیا
جس کے حضور نسرِ طائر بھی پر فشاں ہے
شِعْرائے آسماں تک اک کلبِ آستاں ہے
ہے سنبلہ ادب سے مصروفِ خوشہ چینی
سرگرمِ آبپاشی ہے دلوِ آسمانی
ہر چار سُو نمایاں کیا شانِ کبریا ہے
روح الامینؑ پروں سے پنکھا سا جھل رہا ہے
بس روک لے عنانِ رخشِ قلم کو اے دل!
میدانِ مدح خوانی میں دوڑنا ہے مشکل!
معراج کا ہے رستہ یہ کہکشاں کہاں ہے
الہام ہے سراسر میرا بیاں کہاں ہے

کوئی نہ ہو

(تضمین بر اشعار مرزا غالب رح)

اِس قدر بھی وقفِ جورِ آسماں کوئی نہ ہو
بیکس و بیچارہ و بے خانماں کوئی نہ ہو
بسملِ تیغِ جفائے دوستاں کوئی نہ ہو
"رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو"

اب جنونِ عشق کو بھی آزمایا چاہیئے
لطف کچھ سیرِ بیاباں کا اٹھایا چاہیئے
صورتِ مجنوں کوئی صحرا بسایا چاہیئے
"بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیئے

کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو
کیجئے خوب اشک باری۔ نکلے کچھ دل کا بخار
بھریئے ٹھنڈے سانس جی بھر کر کہ آئے کچھ قرار
جھیلئے آفت پہ آفت۔ ہو نہ کوئی غمگسار
"پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار
اور اگر مر جایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو"

تنہائی

عذابِ جاں ہے طلسمِ سپہرِ سفلہ نواز
بلائے گوش ہے اہلِ جہاں کی گفت و شنید
زمانہ بھر میں ہے نایاب جنسِ ذوقِ سلیم
نگاہ کو کہ شناسد خزف ز مروارید
بساؤں اب کوئی ایسا خرابۂ خاموش
جہاں جراحتِ وجداں نہ ہو کسی کی دید
جہاں نظارۂ فطرت ہو وجہِ بالشِ رُوح
شعاعِ مہرِ جہانتاب قفلِ دل کی کلید
جہاں گزر کسی انسان کا ہو نا ممکن
نہ رنج و کربِ محرّم نہ عیش و عشرتِ عید

وہیں۔ نگاہِ خلائق سے دُور۔ مرجاؤں
نہ خوفِ پرسشِ عصیاں نہ اضطرابِ وعید
"مرا ز روزِ قیامت اگر غم است این است
کہ رُوئے مردمِ عالم دوبارہ باید دید"

اکلوتے بیٹے کی موت

(بوڑھی ماں کی آنکھوں کے سامنے)

اے میرے لال! بات تو کر۔ خامشی ہے کیوں
کیوں لال ہو گئی ہے زباں۔ بیحسی ہے کیوں
تاب و تواں کہاں گئی۔ ناطاقتی ہے کیوں
ٹھنڈا ہے جسم کس لئے۔ رنگت اُڑی ہے کیوں
بیہوش تُو ہے۔ آہ! میں وقفِ ملال ہوں
تجھ کو نڈھال دیکھ کے میں بھی نڈھال ہوں
کیا جانے نیند کونسا جادو چلا گئی
بس جاگنا قسم ہے۔ کچھ ایسا سُلا گئی

ہاں ہاں یہ بھید تاڑ گئی۔ رمز پا گئی
غفلت کی آڑ لے کے اجل پاس آ گئی

بیٹھی ہوں میں سرہانے مجھے بیقرار دیکھ
نورِ نظر! خدا کے لئے ایک بار دیکھ

ہچکی لگی ہوئی ہے۔ بہت تنگ حال ہے
ان سختیوں سے جان کا بچنا محال ہے

اٹھارھویں برس میں ابھی میرا لال ہے
اے موت! رحم۔ ایک ہی یہ نو نہال ہے

وہ سانس اُکھڑ گئی۔ وہ ڈھلا نیل۔ ہائے موت
ننھی سی جان پر ہوئی نازل بلائے موت

اے وائے آج باغِ تمنا اُجڑ گیا
سینچا تھا خونِ دل سے جو پودا۔ اُکھڑ گیا

بن بن کے آرزوؤں کا نقشہ بگڑ گیا
بیدل ہیں رہ گئی کہ دلِ آرا بچھڑ گیا
آنکھوں کے آگے آنکھ کے تارے کی لاش ہے
دل لخت لخت ہے۔ تو جگر پاش پاش ہے
میرے سیاہ خانے کا گُل ہو گیا چراغ
بے بادۂ سرور ہے دل اک تہی ایاغ
سینہ ہے زخم زخم۔ کلیجہ ہے داغ داغ
مسکن ہوا جنوں کا مرا خانۂ دماغ
لختِ جگر کا ساتھ ہمیشہ کو چھُٹ گیا
ڈاکا پڑا اجل کا۔ تو گھر بار لُٹ گیا
تھی آرزو کہ بیٹے کو دُولھا بناؤں گی
پیاری سی اک دلھن سے گھر اس کا بساؤں گی

کہتی تھی موت میں ہی دُلھن بن کے آؤں گی
لے کر بلائیں۔ اس کو گلے سے لگاؤں گی
ہلنے نہ دوں گی اس کو جگہ سے یہ مان لو
ملنے نہ دوں گی اس کو کسی سے یہ جان لو

ڈھانکو ابھی نہ چہرۂ یوسف جمال کو
جی بھر کے دیکھنے دو مجھے اپنے لال کو
زانو و سر کو پیٹنے دو خستہ حال کو
تلقین کرو نہ صبر کی مجھ پیرزال کو
مُنہ اس جہاں سے موڑ چلا۔ ہائے ہائے ہائے
بڑھیا کو کس پہ چھوڑ چلا۔ ہائے ہائے ہائے

لو آ گئے جنازہ اُٹھانے کو اقربا
کرتے ہیں آہ! پیر و جواں نالہ و بُکا

شق ہو رہے ہیں قلب و جگر وا مصیبتا
وہ درد اٹھا۔ وہ منہ سے کلیجہ نکل پڑا
سیلاب خوں کا جوش ہے گلگوں زمین ہے
دیکھو مری نگہ سے۔ قیامت کا سین ہے
لوگو! وہ میرا موتیوں والا کدھر گیا
بے داغ باغِ حسن کا لالا کدھر گیا
اندھیر ہے۔ وہ گھر کا اُجالا کدھر گیا
ہے ہے وہ میری گود کا پالا کدھر گیا
تنہا نہ میرے لال کو رکھ آئیں قبر میں
بچے کے ساتھ ماں کو بھی دفنائیں قبر میں
غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ہائے کیا کروں
چھوٹے ہیں جائے ہوش۔ مجھے ہو گیا جنوں

اب رونے پیٹنے سے نہیں آنے کا سکوں
بہتر ہے۔ میری قبر یہیں ہو۔ یہیں مروں
اتنا جگر کہاں ہے کہ صدمے سہوں گی میں
سنگِ لحد سے پھوڑ کے سر مر رہوں گی میں

بیوی کا جنازہ

جانِ وفا! یہ آج ہیں کیوں بے وفائیاں
مجھ ایسے جاں نثار سے بے اعتنائیاں
کیوں چشمِ کیف پاش میں وہ مستیاں نہیں
کیوں لعلِ شکّریں ترے گوہر فشاں نہیں
آخر بتا تو۔ کس لئے بے حس پڑی ہے تُو
گویا کوئی مجسّمہ خامشی ہے تُو
صُغرا! ادھر تو آ۔ مری صُغرا! اِدھر تو آ
جا۔ دیکھ تو سہی۔ تری آپا کو کیا ہوا
ابّا! وہ سو رہی ہیں۔ کہیں تو جگاؤں میں
بازو پکڑ کے ان کو اٹھا کر بٹھاؤں میں

اصغرؔ کو لے کے گود میں بچّی! کھِلا ذرا
میں آپ دیکھتا ہوں کہ یہ ماجرا ہے کیا
ہاں، سو رہی ہیں۔ چُپ۔ نہ کہیں نیند اچاٹ ہو
باہر گلی میں ننّھے کو لے جا کھِلانے کو

ہے ہے۔ یہ خوابِ ناز نہیں۔ خوابِ مرگ ہے
عقبیٰ کے راستے کے لئے ساز و برگ ہے
گھر والو! ہائے آج مرا گھر اُجڑ گیا
میں حسرتوں کی گود میں زندہ ہی گڑ گیا
او پیکرِ وفا! ترے وعدے وہ کیا ہوئے
قول و قسم کدھر ہیں۔ ارادے وہ کیا ہوئے
صُغراؔ کو کون تیرے بغیر اب سنبھالے گا

اصغر ہے شیر خوار۔ اسے کون پالے گا
او رہ نوردِ ملکِ عدم! تُو تو چل بسی
مجھ پر گزر رہی ہے قیامت کی ہر گھڑی

بجلی گری ہے خرمنِ صبر و قرار پر
پروردگار! رحم مرے حالِ زار پر
بچّوں کو آہ! مجھ سے تو پالا نہ جائے گا
گھر کا یہ کاروبار سنبھالا نہ جائے گا
دل ایک ہی تھا۔ آہ! جو دلبر کے پاس ہے
اب اے کریم! تجھ سے یہی التماس ہے
ناسازگار آب و ہوا ہے زمانے کی
بلبل کو دھن بندھی ہے اسی آشیانے کی

دُنیا کو اب تو چھوڑ کے عقبیٰ کو جائیں گے
فردوس ہی کے گوشے میں ہم گھر بنائیں گے
کر دے شکستہ ناؤ کو ساحل سے آشنا
واماندگانِ راہ کو منزل سے آشنا

شوہر کا جنازہ

ہے ہے مرے سرتاج! یہ کیا طرزِ جفا ہے
ہے ہے مرے اللہ! یہ کیا حشر بپا ہے
کیا موت کی آغوش میں بیہوش پڑا ہے
گویا بُتِ مرمر ہے۔ نہ جنبش نہ صدا ہے
ہے ہے مرے والی! مرے مونس! مرے دلبر! ہے ہے مرے شوہر!

ہیں زانو و سر کو جو نہ پیٹوں تو کروں کیا
اتم مجھے کر لینے دو جی بھر کے خدارا
برباد ہوا آج سہاگ - آہ رنڈاپا
میں لُٹ گئی۔ میں لُٹ گئی۔ اندھیر ہے دُنیا
ہے ہے مرے والی! مرے مونس! مرے دلبر! ہے ہے مرے شوہر!

کھول آنکھ ذرا دیکھ کہ ہے اور ہی عالم
جو عیش کدہ تھا۔ وہ بنا خانۂ ماتم
اپنا تو نہیں۔ ہائے مگر بچّوں کا ہے غم
کون ان کے دل ریش پہ اب رکھے گا مرہم

ہے ہے مرے والی! مرے مونس! مرے دلبر! ہے ہے مرے شوہر!

خاموش ہے کیوں، کس لئے مُنہ موڑ لیا ہائے
اب کون کرے گا دلِ مضطر کی دوا ہائے
ہمراز پہ یوں بھی کوئی کرتا ہے جفا ہائے
اب تُو ہی بتا۔ کیا ہے یہی شرطِ وفا ہائے

ہے ہے مرے والی! مرے مونس! مرے دلبر! ہے ہے مرے شوہر!

سلمیٰ! مری سلمیٰ! تجھے بہلائے گا اب کون
روئے گی اگر۔ سینے سے لپٹائے گا اب کون

اختر! تجھے بازار پھرا لائے گا اب کون
ٹہلاتے ہوئے باغ میں لے جائے گا اب کون

ہے ہے مرے والی! مرے مونس! مرے دلبر! ہے ہے مرے شوہر!

بچی! ترے ابا کو بلایا ہے خدا نے
واری گئی۔ چلا نہ کھڑی ہو کے سرھانے
دل چھید دیا بچوں کی فریاد و بکا نے
باہر انھیں لے جائے کوئی حیلے بہانے

ہے ہے مرے والی! مرے مونس! مرے دلبر! ہے ہے مرے شوہر!

گھر سے جو گیا۔ گھر کو کیا کس کے حوالے
جس جا تو گیا ہے۔ وہیں ہم سب کو بلا لے
بچے ابھی معصوم ہیں۔ کون ان کو سنبھالے
ہے ہے مرے اللہ! مجھے دنیا سے اٹھا لے

ہے ہے مرے والی! مرے مونس! مرے دلبر! ہے ہے مرے شوہر!

یادِ وطن

اے وطن! اے سرزمینِ پاک! اے پیارے وطن!
اے وطن! اے منزلِ نشو و نمائے رُوح و تن
اے وطن! اے مرے پیارے وطن!

لوریاں دے کر سُلاتی تھی اُسے بادِ بہار
میری معصومی کا گہوارہ تھا جب تیرا چمن
اے وطن! اے مرے پیارے وطن!

آنکھ کھولی آرزوؤں نے تری آغوش میں
ایک مُشتِ گِل میں پیدا ہو گئے سو بانکپن
اے وطن! اے مرے پیارے وطن!

منظرِ فطرت کے دریا میں نظر کا تیرنا
قہقہے وہ سادہ رُویوں کے وہ لطفِ انجمن

اے وطن! اے میرے پیارے وطن!

مُسکراتے ہیں ترے ذرّوں میں جلوے طُور کے
تیرے کانٹوں پر فدا جنّت کے ریحان و سمن

اے وطن! اے میرے پیارے وطن!

کھینچ کر اُس راحت آبادِ تمنّا سے مجھے
لائی غربت میں ستم آرائیِ چرخِ کہُن

اے وطن! اے میرے پیارے وطن!

لے چل اے یادِ وطن! پھر اُس مسرت زار میں
سازِ دل کی ہر نوا ہے "اے وطن! اے پیارے وطن!"

اے وطن! اے میرے پیارے وطن!

کوئٹہ کی رنگین یاد

یادِ ایّام کہ تھا کوئٹہ مسکن میرا
مکتبِ عشق وہی تھا۔ وہی ایمن میرا
آہ وہ محفلِ رنگیں وہ ادب گاہِ جنوں
حسنِ معصوم کی البیلی ادا کا افسوں
عشقِ شوریدہ کا زور اور وہ کہسارِ بلا
دلِ بیتاب کا شور اور بھیانک وہ فضا
میں کبھی وادیٔ اندوہ میں کھو جاتا تھا
تو کبھی عیش کی آغوش میں سو جاتا تھا

پھر کنوئیں مجھ کو جھنکاتا تھا کوئی سرخوشِ ناز
ذرّے ذرّے سے میں سنتا تھا کسی کی آواز

نجد کے دشت کا نقشا نظر آتا تھا مجھے
ہر طرف جلوۂ لیلا نظر آتا تھا مجھے
دلِ ناکام کو جب یاس رُلا دیتی تھی
ہنس کے اُمید کلیجے سے لگا لیتی تھی
کبھی ہر شے نظر آتی تھی چھلاوا مجھ کو
خضرِ منزل کبھی ہر نقشِ قدم تھا مجھ کو

بیم و اُمید کے اس دَور نے کروٹ بدلی
ناچتی گاتی چلی آئی مسرّت کی پری
چمنِ دل میں یہ کس گُل کی سواری آئی
پھول برساتی ہوئی بادِ بہاری آئی
رمز آموزِ جنوں سیر وہ کہساروں کی
حُسن افروز فضائیں وہ چمن زاروں کی

سنڈمین ہال[۱] میں احباب کے جلسے وہ کہاں
چاندنی رات کے پُر کیف نظارے وہ کہاں

غمازۂ رُوئے چمن۔ زیورِ شہنازِ بہار
حُسن اے کوئٹہ! تیرا پرِ پروازِ بہار
موسمِ گُل میں تو اِس درجہ حسیں ہوتا ہے
غلغلہ تیرا سرِ عرشِ بریں ہوتا ہے
شوقِ دیدار میں ہر پیر و جواں آتا ہے
تو اِس انداز سے مینہ جلووں کا برساتا ہے
حُسن ہے۔ نغمہ ہے۔ مستی ہے۔ ادا ہے تجھ میں؟
جذب ہے۔ سحر ہے۔ اعجاز ہے۔ کیا ہے تجھ میں؟
رُوکشِ خلد ہے کیا تیرے گلستاں کی فضا؟
کیف انگیز و جنوں خیز ہے یا آب و ہوا؟

[۱] کوئٹہ کا ایک مشہور ہال ہے جو ایک دلکشا و پُرفضا باغ کے اندر واقع ہے۔ اس باغ کو بھی سنڈمین ہال ہی کہتے ہیں۔ (نشتر)

تیرے میووں کی حلاوت میں کشش ہے کوئی؟
جلوہ افروز ہے یا تجھ میں "نئی شے" کوئی؟

سادگی کھیل رہی ہے تری پُرکاری میں
کوئی معشوق ہے اِس پردۂ زنگاری میں

مجھ کو معلوم تو ہے راز۔ بتاؤں کیونکر
معنوی کیف کو لفظوں میں دکھاؤں کیونکر

آرزوئیں تری گودی میں جواں ہوتی ہیں
حسرتیں خاک کے پردے میں نہاں ہوتی ہیں

حُسن ہے ساقیِ عرفاں ترے میخانے میں
موج زن کوثر و تسنیم ہیں پیمانے میں

کاش وہ خطۂ محبوب دوبارہ دیکھوں
جنّتِ ذوق کا پُرکیف نظارہ دیکھوں

ترانۂ شادی

(بر تقریبِ کتخدائیٔ محبِّ عزیز میر منظور محمود صاحب فیؔ اَل وارثی امرتسری)

قِران زہرہ و خورشید کا مبارک ہو
یہ کتخدائیٔ عشرت فزا مبارک ہو

اُٹھا ربابِ ترانہ وہ چھیڑ دے مطرب!
کہ تار تار سے نکلے صدا مبارک ہو

سُنا کے نغمے فضا کو طرب فزا کر دے
کہ ذرّہ ذرّہ کہے مرحبا مبارک ہو

مئے سرود لبِ گوش سے پلا ساقی!
یہ بزمِ عیش ہیں رقصِ صبا مبارک ہو

یہ عقدِ نیک ہو زوجین ہیں خلوص افروز
عزیز و خویش کو بھی اے خدا مبارک ہو
جواں نصیب ہوں دولہا دلہن زمانے میں
خوشی کے پھول کھلیں اس نئے گھرانے میں

نوحۂ گرامی

خورشیدِ سخن آج نگاہوں سے نہاں ہے
اندھیر ہے دنیا میں قیامت کا سماں ہے
اے بادشہِ ملکِ معانی! تو کہاں ہے
ہر آنکھ ترے سوگ میں خونابہ فشاں ہے
ہر دل سے نکلتی ہے صدا۔ ہائے گرامی! اے وائے گرامی!

میخانے میں ساقی نہیں۔ دلگیر ہیں مے نوش
وہ رنگ نہ وہ ذوق نہ وہ کیف نہ وہ جوش
روتا ہے کوئی خون۔ کوئی غم سے ہے بیہوش
ماتم میں ہیں فرش و در و دیوار سیہ پوش
ہر شیشہ ہے یوں محوِ عزا۔ ہائے گرامی! اے وائے گرامی!

گلزار میں بلبل نہیں۔ ہے اور ہی عالم
گلبانگِ طرب آج ہوئی نوحۂ ماتم

شمشاد و صنوبر ہوئے وقفِ غمِ پیہم
گُل ہجر کے صدمے سے بنے دیدۂ پُرنم
ہر برگ ہے مصروفِ بُکا۔ ہائے گرامیؔ! اے وائے گرامیؔ!

صحرا میں نہیں قیس۔ تو ہے اور ہی نقشا
جھنکار سلاسل کی۔ نہ ہے محملِ لیلا
یہ دامنِ محشر ہے۔ کہ ہے دامنِ صحرا
ہر سمت جو ہنگامۂ فریاد ہے برپا
ہر ذرّہ ہے یوں نوحہ سرا۔ ہائے گرامیؔ! اے وائے گرامیؔ!

بس ختم ہوئے حُسنِ تغزّل کے وہ چرچے
اب کون سنائے گا نظیریؒ کے ترانے
رُتبہ ترا اقبالؔ سے جا کر کوئی پُوچھے
تو زندۂ جاوید ہے اعجازِ سخن سے
ہمسر نہ ہوا کوئی ترا۔ ہائے گرامیؔ! اے وائے گرامیؔ!

روزنامۂ "زمیندار"

(سنہ ۱۹۲۴ء)

اے "زمیندار"! اے وطن کی آبرو کے پاسدار!
کشت زارِ دینِ فطرت کے لئے ابرِ بہار
تیری فطرت میں خدا جانے یہ کیا نیرنگ ہے
صورتِ دل تیرا ہر ذرّہ تپش آہنگ ہے
گاہ تو آتش بجاں ہے۔ گاہ آتش بار ہے
برقِ سوزاں ہے۔ سَمَندر ہے کہ موسیقار ہے؟
خنجرِ قاتل کا نظّارہ ہے پیغامِ حیات
خون کا ہر قطرہ تیرے حق میں ہے جامِ حیات

محوِ حیرت ہو کے کہتا ہے عدوئے کینہ توز
اُف رے تیرا خرمنِ ہستی ہے کیسا برق سوز
ناخدا دشمن۔ تلاطم خیز(ق) ہے دریا تو کیا
تُو بھی ہے پروردۂ آغوشِ گردابِ بلا
بحرِ ہمّت کے شناور! ہاں ذرا جوہر دکھا
دیکھ۔ ساحل آگیا۔ وہ دیکھ ساحل آگیا

مِٹ کے آزادی کی رہ میں تُو ہے ہمدوشِ ظفر
یہ اصولِ زندگی ہر وقت ہے پیشِ نظر
"خونِ دل سے ہے نموئے لالہ زارِ زندگی
ہے خزانِ زندگی گویا بہارِ زندگی"

روزنامۂ "انقلاب"

(سنہ ۱۹۲۷ء)

جہانِ عشق میں کیسا یہ انقلاب آیا

کہ حسن بھی پئے نظارہ بے حجاب آیا

زبانِ حال سے کہتا یہ "انقلاب" آیا

کہ آج دورِ صحافت میں انقلاب آیا

حقوقِ بیکس و مظلوم کی حفاظت کو

وطن کی تیغ و سپر بن کے "انقلاب" آیا

بھرے گا دامنِ دل گوہرِ تمنا سے

فضائے ہند میں سوراج کا سحاب آیا

ہوئی فضائے سیاست کی تیرگی کافور
کہ آسمانِ صحافت کا آفتاب آیا
نوید قوم کو بر آئی آرزوئے دل کی
وطن کو مژدہ کہ پیغامِ فتحِ باب آیا
گُلِ مراد کھِلیں گے ریاضِ ملّت میں
یہ سینچنے کے لئے بن کے جُوئے آب آیا
فنِ جریدہ نگاری اب تجھے مبارک ہو
کہ بچپنا ترا رخصت ہؤا شباب آیا
ادب کا رنگ۔ صحافت کی شان۔ کیا کہنا!
غرض جرائدِ افرنگ کا جواب آیا

بڑھے جہان میں تُو عمرِ جاوداں ہوکر
ہرا بھرا رہے گلزارِ بے خزاں ہوکر

تغزّل

تغزّل

غیرتِ عشق نے جلوے کا تقاضا نہ کیا
طُور پر جا کے بھی اظہارِ تمنّا نہ کیا

خُود اُگا۔ خود گلِ کہسار ہوا خاک نشیں
باغباں کا مگر احسان گوارا نہ کیا

آگ میں کود پڑے۔ دار و رسن سے کھیلے
کیا بتائیں کہ ترے عشق میں کیا کیا نہ کیا

کیا کیا انجمنِ حسن میں اے کشتۂ ناز!
مشغلِ راہ اگر مسلکِ پروانہ کیا

خاک ہونے کا مزہ خاک نہیں خاک نہیں
اک نیا حشر جو ہر ذرّے سے برپا نہ کیا

کاٹنا تھا ابھی کہسارِ طلب اے فرہاد!
تیشۂ یاس سے سر پھوڑ کے اچھّا نہ کیا
نگہِ پاک تو ہو۔ جلوہ ہے بیتابِ نمود
چشمِ محرم سے کبھی یار نے پردا نہ کیا
دیدنی ہے مرا نیرنگِ جنوں اے نشتر!
کبھی فرزانہ بنایا کبھی دیوانہ کیا

جوشِ وحشت میں جو مجنوں ترا عُریاں نکلا
پردہ داری کے لئے دشت کا داماں نکلا
کیا کرامت ہے مری شانِ جبیں سائی کی
ہر جگہ سجدے پہ سنگِ درِ جاناں نکلا
کہکشاں چرخ پہ۔ گلزار میں گُل۔ دشت میں قیس
جسے دیکھا۔ وہ ترا چاک گریباں نکلا

دل کا سرمایۂ ہستی ہے تب و تابِ دوام
درد سمجھا کئے جس کو وہی درماں نکلا

نفسِ گرم نے بخشی ہے بقائے جاوید
وادیِ دل میں رواں چشمۂ حیواں نکلا

شعلہ افروز جو محشر میں ہوا داغِ جگر
آفتاب ایک چراغِ تہِ داماں نکلا

عشق جب کود پڑا بحرِ بلا میں نشترؔ
قطرہ قطرہ دُرِ شہوار بداماں نکلا

جو نقابِ رُخ اُلٹ کر کوئی محوِ ناز ہوتا
تو نہ شیخ و برہمن میں کبھی امتیاز ہوتا

جو میں اضطرابِ پیہم سے نہ سرفراز ہوتا
ترے عاشقوں میں کیونکر مجھے امتیاز ہوتا

ترے استخواں پگھل کر گلِ نو بہار بنتے
جو تری فغاں میں بلبل! اثرِ گداز ہوتا

نہ شفق سے سرخ ہوتا کبھی پیرہن سحر کا
اگر اک زمانہ تیرا نہ شہیدِ ناز ہوتا

ترے آستانِ دل پر خرم آکے سجدہ کرتا
یہ صنم کدہ کسی کا جو حریمِ ناز ہوتا

یہ ازل سے آرزو ہے۔ سرِ مقتلِ محبت
تری تیغِ ناز ہوتی یہ سرِ نیاز ہوتا

سرِ آسماں مہِ نو کا اشارہ ہے یہ نشترؔ!
جو میں سرنگوں نہ ہوتا تو نہ سرفراز ہوتا

ہنگامہ گرم دہر میں ہے انقلاب کا
یہ زندہ معجزہ ہے مرے اضطراب کا

وجہِ نشاطِ دل نہیں تصویرِ آب و گل
جلوہ بتوں کا جلوہ ہے موجِ سراب کا

ہے ذرہ ذرہ آئینہ دارِ جمالِ یار
گوشہ اُلٹ کے دیکھ مژہ کی نقاب کا

ہر تارِ شعلہ ریزِ نوا ہائے راز ہے
نغمہ شنیدنی ہے نفَس کے رباب کا

آغوشِ بیخودی ہے شبستانِ نازِ یار
درگاہِ بے نیاز سے طالب ہو خواب کا

گوہر خزف ہے چشمِ حقیقت نگاہ میں
دم بھر رہا ہوں بحرِ جہاں میں حباب کا

نشترا کبیدہ دل نہ ہو طعنوں سے غیر کے
پھونکوں سے کیا بجھے گا چراغ آفتاب کا

دمِ نظّارہ میں آ آج گاہِ تیرِ مژگاں تھا
کبھی آنکھیں تھیں پیکاں میں کبھی آنکھوں میں پیکاں تھا

کھُلا رازِ طلسمِ دہر آنکھیں بند ہونے پر
یہ حیرت خیز نظّارہ فقط خوابِ پریشاں تھا

نگاہِ شوق سے جس وقت مژگاں کا حجاب اُٹھّا
جہاں آئینہ دارِ شوخیِ دیدارِ جاناں تھا

فلک پر جو نظر آتا ہے خطِّ کہکشاں بن کر
ازل میں تیرے دیوانے کا یہ چاکِ گریباں تھا

طلسمِ آب و گِل ٹوٹا تو گویا قید سے چھُوٹے
ہمارے واسطے بابِ عناصر بابِ زنداں تھا

تماشا تھی مری نیرنگیِ جوشِ جنوں نشترؔ!
کبھی میں گِل بداماں تھا کبھی گلشن بداماں تھا

دہر کو قیس صفت عشق میں سودائی کر
جلوہ گر محملِ کعبہ میں ہو۔ لیلائی کر

اب تو پردے سے نکل۔ وعدۂ فردا آیا
نگہِ شوقِ دو عالم کو تماشائی کر

مضطرب سجدے کو ہے ہر رگِ سیمائے نیاز
سامنے بیٹھ ذرا اور خود آرائی کر

دُرِ مقصود ہے ہر قطرۂ دریائے خودی
اپنی ہی ذات سے نادان! شناسائی کر

اسی منزل میں کوئی پردہ نشیں رہتا ہے
آنکھ کو جلوہ گہِ دل کا تماشائی کر

وادیِ عشق کا ہر ذرّہ ہے یوسف بکنار
اسی کنعان میں گم ہو کے زلیخائی کر

نغمۂ عشق سے معمور ہو سازِ ہستی
نشترا اس طرز سے تو زمزمہ پیرائی کر

جلوہ بے پردہ دکھا انجمن آرا ہو کر
اک جہاں سجدہ کرے محوِ تماشا ہو کر

نقشِ ہستی تو مٹا۔ گردشِ قسمت نہ مٹی
خاک اڑاتی ہے مری خاک بگولا ہو کر

کیا ہی آوارہ ہے اب تک ترے دیوانے کی رُوح
نکہتِ باغ کبھی آہوئے صحرا ہو کر

تہ و بالا نظر آتا ہے نظامِ عالم
کس نے الٹی ہے نقاب انجمن آرا ہو کر

رنگ لاکر ہی رہا ضبطِ محبت آخر
بہ گیا آنکھ سے دل خونِ تمنا ہو کر

ہر بگولا نظر آتا ہے مجھے محملِ یار
رہ گیا قیس تو گردِ رہِ لیلا ہوکر

عبرت آموز ہے نیرنگیِ قدرت تیری
نغمۂ عیش کبھی آہِ غم افزا ہوکر

جستجو میں تری پہنچا ہوں عدم سے ٹپ پڑے
بیخودی ڈھونڈ رہی ہے مجھے عنقا ہوکر

شوقِ منزل ہی تو خود راہنما ہے نشترؔ!
تُو نے دیکھا ہی نہیں بادیہ پیما ہوکر

خونِ شبیرؑ ہے کیا۔ سُرخیِ افسانۂ دل
شورِ منصورؒ ہے کیا۔ نعرۂ مستانۂ دل
نقشِ ہستی ہے غبارِ رہِ کاشانۂ دل
عرصۂ حشر ہے اک گوشۂ ویرانۂ دل

عشق کا بارِ گراں ہنس کے اٹھایا سر پر
اللہ اللہ یہ ہے ہمّتِ مردانۂ دل
عقل گم کردہ رہِ وادیِ حیرت ہے ابھی
اور محبوب در آغوش ہے دیوانۂ دل
اس کا ہر ذرّہ ہے آئینۂ اسرارِ حیات
لوحِ محفوظ ہے گویا مرا پیمانۂ دل
گرمیِ عشق سے ہے تابشِ رخسارۂ حسن
شعلۂ طور ہے ہمّتکشِ پروانۂ دل
ابھی شاداب ہو گلزارِ تمنّا تیرا
تپشِ برق اُگا ئے جو کہیں دانۂ دل
نہ حرم ہے نہ کلیسا ہے نہ بُت خانہ ہے
یار کی انجمنِ ناز ہے کاشانۂ دل

لاکھ ایمان ہیں اک کفرِ محبت پہ نثار
دیکھ صد کعبہ در آغوش ہے بُت خانۂ دل

کیا کرامت مرے ساقی نے دکھائی نشترؔ!
خطِ خورشید بنا ہے خطِ پیمانۂ دل

ہوں آرزوؤں کا ایک تابوت زندگی کا مزار ہوں میں
جنازہ بردار آپ اپنا ہوں آپ ہی سوگوار ہوں میں
نہ کیوں نہالِ امید کے سینچنے کو خونابہ بار ہوں میں
جو بجلیوں سے ہوا ہے شاداب اُس چمن کی بہار ہوں میں
یہ انقلابِ زمانہ میری تڑپ کا اک زندہ معجزہ ہے
قرار جس کے لیے پیامِ اجل ہے۔ وہ بیقرار ہوں میں
بلا کی آغوش میں پلا ہوں۔ ہے شامِ غم صبحِ عید مجھ کو
گہر بکف ہوں اگرچہ موج و نہنگ سے ہمکنار ہوں میں

مرے خرابات کی جو منظور سیر ہے ظرف لا کہیں سے
کہ خونِ دل کو سمجھ کے مے پی رہا ہوں وہ بادہ خوا ہوں میں
سنائی دیتے ہیں جس کی ہر لہر سے انا البحر کے ترانے
ہیں کوثر و سلسبیل بھی جس کے تشنہ وہ جوئبار ہوں میں
جو دیکھنا ہو کہ عشق میں دل پہ کیا گزرتی ہے مجھ کو دیکھو
زمانہ بھر کے بلاکشوں کی مٹی ہوئی یادگار ہوں میں
نئے مضامیں کے پھول نشترؔ ادرق ورق پہ مہک رہے ہیں
بہارِ معنی ہے میرا دیواں وہ شاعرِ تازہ کار ہوں میں

ہیں گردشِ جامِ شہادت ہوں میں خونِ صلائے عام نہیں
فرہاد کا خونیں افسانہ ہوں شیریں کا پیغام نہیں
آفات کی بجلی کوندتی ہے طوفانِ حوادث برپا ہے
ہیں اُس دُنیا میں رہتا ہوں جو واقفِ صبح و شام نہیں

کیا لطف ہے پینے کا ہمدم! جب جام بنے کشکولِ گدا
جو پیرِ مغاں کے دست نگر ہوں۔ ہم وہ مے آشام نہیں

دریا میں اتر۔ کیا ڈرتا ہے گرداب کی شور انگیزی سے
خود موجِ بلا کشتی ہے تری کشتی سے تجھے کچھ کام نہیں

صیاد! قفس میں جینا کیا۔ یا پھیر چھری یا چھوڑ دے مجھے
ہے آرزوئے آرام۔ مگر پابندی کا آرام نہیں

ساقی کے تصورِ رنگیں میں پی ساغرِ چشم سے خونِ جگر
اِس مے سے کوئی مے تند نہیں اِس جام سے بہتر جام نہیں

اب نشترؔ بسترِ مرگ پہ ہے۔ دُنیا مُنہ دیکھنے آتی ہے
بس کوئی دم کا مہماں ہے وہ۔ صبح نہیں یا شام نہیں

ایسا بپا کروں کوئی طوفانِ آرزو
پہنائے کائنات ہو دامانِ آرزو

خونِ جگر سے دامنِ مژگاں ہو لالہ رنگ
پھولا پھلا رہے چمنستانِ آرزو

ساحل کا ہے سکوت کہ ہے موت کا پیام
موجوں کا شور ہے کہ ہے طوفانِ آرزو

زہرابِ غم ہے بادۂ سرجوشِ مدّعا
داغِ جگر ہے شمعِ شبستانِ آرزو

پھر سیلِ اشک بہنے کو ہے چشمِ یاس سے
بے آبرو نہ ہو دُرِ غلطانِ آرزو

تیرا عتاب شعلہ زنِ خرمنِ اُمید
تیرا کرم بہارِ گلستانِ آرزو

حرفِ وفا مٹا ورقِ روزگار سے
باندھے کسی سے کیا کوئی پیمانِ آرزو

اب آرزو یہ ہے کہ کوئی آرزو نہ ہو
ایسا کیا کسی نے پشیمانِ آرزو
نشترؔ ! میں زندہ ہوں نفسِ گرمِ عشق سے
جامِ فنا ہے میرے لئے جانِ آرزو

خُم کدہ بداماں ہے یادِ پیرِ مے خانہ
خونِ دل مئے گلگوں چشمِ تر ہے پیمانہ
ایک ہی تھا مکتب بھی۔ ایک ہی سبق بھی تھا
وہ ہوا ہے فرزانہ۔ میں ہوا ہوں دیوانہ
دَیر کیا۔ حرم کیسا۔ تیرا سینہ ہے سینا
دل وہ شمع ہے جس کا حُسن بھی ہے پروانہ
کعبہ چل کے آتا ہے خود طواف کرنے کو
کیا بلند رتبہ ہے میرے دل کا بُت خانہ

عشق کے سلاسل کو توڑنا ہے گستاخی
ورنہ پھونک دوں زنداں میں تو ہوں وہ دیوانہ
میں ہوں۔ تُو ہو مطرب ہو۔ خم ہو۔ مے ہو گلشن ہو
رودِ نغمہ جاری ہو۔ دَور میں ہو پیمانہ
قیس تو تھا دیوانہ۔ میں ہوں دشت پیما کیوں
سیلِ گریہ سے میرا گھر ہی جب ہے ویرانہ
کشتِ دل کو اے نشترؔ اچشم تر سے پانی دے
خرمنِ تمنّا ہے آنسوؤں کا ہر دانہ

جسے کوئی بھی نہ سمجھ سکا۔ نہ سمجھ سکے تُو وہ راز ہے
کہیں عشق ہے۔ کہیں حُسن ہے کہیں سوز ہے۔ کہیں ساز ہے
مرے دل کا بُت کدہ کس حسین کی آج منزلِ ناز ہے
کہ ادب سے سجدے کو عرش و کعبہ کی خم جبینِ نیاز ہے

یہ قصور تیری نظر کا ہے۔ نہ نشیب ہے۔ نہ فراز ہے
کہ جہاں ہے مرقدِ غزنوی۔ وہیں خواب گاہِ ایاز ہے
وَرَقِ جہاں کے ہزار رنگ پلٹ رہا ہے ہر آن میں
تُو کرشمہ ساز بلا کا ہے۔ تُو غضب کا شعبدہ باز ہے
جو فضا ہے کوہ و چمن میں جُوئے سرود ہوتی ہے موجزن
یہ وہی ہے نغمہ الست کا۔ یہ وہی رباب نواز ہے
مرے پاس بیٹھ کے سُن ذرا دلِ غم نصیب کا ماجرا
کوئی نے نواز ہے اور ہی۔ یہ جبھی تو سوز و گداز ہے
جو کبھی ہیں تختۂ دار پر۔ تو کبھی ہیں قلزمِ ناز میں
یہ سجود ہے۔ وہ قیام ہے۔ یہی عاشقوں کی نماز ہے
مجھے ذرّے ذرّے سے آ رہی ہے یہی صدا کہ میں طُعمہ ہوں
جو تری نگاہ میں کچھ نہیں۔ وہ مری نگاہ میں راز ہے

بس اُٹھو بھی سجدے سے نشترؔ اب کہ ہے پردہ پوشِ سکوتِ شب
یونہی چھپ چھپا کے چلے چلو درِ میکدہ ابھی باز ہے

خوں میں نوا کیا تپشِ ہجرِ یار نے
رُسوا کیا مجھے دلِ بے اختیار نے

دردِ فراق خود ہی دوائے فراق ہے
افشا کیا یہ راز ترے انتظار نے

شاداب سوزِ عشق سے نخلِ حیات ہے
زندہ کیا ہے مجھ کو دلِ بیقرار نے

قطرے جہاں گرے۔ وہیں پھولے ہیں لالہ زار
کیا گُل کھلائے دیدۂ خونبابہ بار نے

ہر داغِ دل کو طُور درآغوش کر دیا
برق افگنی وہ کی شررِ عشقِ یار نے

معلوم تھا مجھے کہ ہے تو دشمنِ وفا
مجبور کر دیا دلِ بے اختیار نے
اکسیر بن گئی مرضِ عشق کے لئے
پایا یہ مرتبہ مری خاکِ مزار نے
گردوں پہ نور پاش ہوا بن کے کہکشاں
پایا ہے کیا عروج ہمارے غبار نے
نشترؔ! مرا کلام ہے مقبولِ خاص و عام
ذوقِ سلیم مجھ کو دیا کردگار نے

جلوۂ حسن سے ہر کوہ کو سینا کر دے
موسیِٔ دہر کو سرشارِ تماشا کر دے
ہوں ہمیں دونوں جہاں مستِ مئے ناز و نیاز
ایسی رنگین سی دُنیا کوئی پیدا کر دے

چھیڑ۔ ہاں چھیڑ دہی نغمۂ انکارِ جمیل
عشقِ مایوس کو بیتابِ تمنّا کر دے
گرد اُٹھ اُٹھ کے بتائے گی سُراغِ منزل
رہروِ دل کو ذرا بادیہ پیما کر دے
دلِ مضطر اب تجھے محرم تو بنا لوں۔ لیکن
ڈر یہ ہے۔ رازِ محبّت کو نہ افشا کر دے
تہمتِ عشق ہے وہ۔ عشق کہاں ہے نشترؔ!
عالمِ حسن میں جو حشر نہ برپا کر دے

دُنیا نہ چاہیئے مجھے۔ عقبیٰ نہ چاہیئے
کیشِ غمانہ و دلِ دیوانہ چاہیئے
میرے جنوں کو تنگ ہے پہنائے کائنات
یارب بہت بڑا کوئی ویرانہ چاہیئے

ہر کوہسار میں ہیں نہاں لعل بے بہا
تیشہ زنی کی ہمتِ مردانہ چاہیئے

دم لے۔ ٹھہر۔ کسی کا مجھے انتظار ہے
اے مرگ! یہ تحکّمِ بیجا نہ چاہیئے

اب تو بھی ساتھ چھوڑ چلا اے خیالِ یار!
ایسا نہ چاہیئے تجھے ایسا نہ چاہیئے

جنّت تو دی۔ کرم ہے ترا۔ لیکن اے کریم!
کوثر نہ چاہیئے۔ مجھے میخانہ چاہیئے

طوفاں کا شور ہے مجھے پیغامِ زندگی
سب لے جو شیِ کنارۂ دریا نہ چاہیئے

ساحل سے ہمکنار ہو موجوں کو چیر کر
تائیدِ ناخدا پہ بھروسا نہ چاہیئے

آزادیِ دوام کی خاطر بھی اے اسیرؔا
صیّاد کی خوشامدِ بیجا نہ چاہیئے

کوثر پہ آ ملے ہیں حریفانِ بادہ نوش
نشترؔا اب ایک نعرۂ مستانہ چاہیئے

ہُوا ہوں خاک بسر تیرے نقشِ پا کے لئے
ہوں تشنہ لب اسی جامِ جہاں نما کے لئے

جو ذرّہ ذرہ ہے اک آفتابِ عالمتاب
تو قطرہ قطرہ گہر چشمِ آشنا کے لئے

کسی کے نخلِ بقا پر گری ہے برقِ فنا
دُعائیں مانگ رہا ہے کوئی گھٹا کے لئے

ہوائے شوق اُڑاتی ہے خاک بہرِ وصال
ہے ابتدا مری بیتاب انتہا کے لئے

یہ جانتا ہوں کہ بابِ قبول وا ہے۔ مگر
کہاں سے لاؤں زباں عرضِ مدّعا کے لئے
لگا دے آگ سنا کر ترانہ ہائے الست
کہ دل ہے شعلہ بدامن اسی صدا کے لئے
وہ سامنے نظر آتی ہے تُربتِ نشتر
چلو کہ ہاتھ اٹھائیں ذرا دُعا کے لئے

کم نظر عالم سے ہے تکلیفِ وجدانی مجھے
چاہئے رہنے کو اک دُنیائے عرفانی مجھے
ہو مبارک حُسن کا ملبوسِ نورانی تجھے
عشق کا پیراہنِ صد چاک دامانی مجھے
حُسن ہو سرشارِ نغمہ عشق ہو مدہوشِ رقص
چاہئے اِس رنگ کی دُنیائے وجدانی مجھے

جس کے اِک جرعے سے پہنچوں لامکاں سے بھی پرے
ساقیِ عرفاں! پلا وہ آتشیں پانی مجھے
بحرِ ہستی میں نمک پروردۂ گرداب ہوں
مرکبِ اُمّید ہے ہر موجِ طوفانی مجھے
ہر بگولا محملِ لیلا کا ہے آئینہ دار
رہبرِ منزل ہے ہر غولِ بیابانی مجھے
مایۂ نشو و نما ہے نخلِ ہستی کے لئے
آرزو کی جان ہے یہ سوزِ پنہانی مجھے
پیار کو اُبھلی رگِ گردن تو ٹوٹی تیغِ ناز
ہیں گراں جانی کو روتا ہوں۔ گراں جانی مجھے
دفن ہے ہر ذرّۂ ہستی میں نعشِ آرزو
ہمنفس! رہنے دے وقفِ مرثیہ خوانی مجھے

فقر کی نعمت نے استغنا کی دولت بخش دی
ہے بساطِ خاک اور ننگِ سلیمانی مجھے
شانِ رحمت مسکرا دی میری صورت دیکھ کر
سوئے جنت لے گئی آلودہ دامانی مجھے
کیوں نہ ہو نشترؔ مرا ہر شعر پیغامِ حیات
ہے نظیریؒ کا میسر فیضِ روحانی مجھے

حشر برپا ہے۔ کچھ ایسا نظر آتا ہے مجھے
آج کون انجمن آرا نظر آتا ہے مجھے
دل کا ہر ذرہ ہے دنیائے تلوّن گویا
آسماں ایک چھلاوا نظر آتا ہے مجھے
کیف انگیز ہے نظارۂ چشمِ ساقی
موج زن قلزمِ صہبا نظر آتا ہے مجھے

خود نمائی کے لئے کون لبِ بام آیا
اک جہاں محوِ تماشا نظر آتا ہے مجھے
ذرّے ذرّے سے انا الطّور کی آتی ہے صدا
عشق ہی حسن ہے۔ ایسا نظر آتا ہے مجھے
اے خدا! حشر در آغوش ہے کس کا جلوہ
نظمِ عالم تہ و بالا نظر آتا ہے مجھے
شررِ آہ میں ہے شعلۂ سینا کی ضیا
نار میں نور کا جلوا نظر آتا ہے مجھے
حسرت آبادِ جہاں میں ہوں وہ بربادِ ازل
گلستاں رشکِ صحرا نظر آتا ہے مجھے
غرقِ دریائے تحیّر ہے نگاہِ پُر شوق
کیا کہوں۔ دہر میں کیا کیا نظر آتا ہے مجھے

دیکھ۔ ہاں دیکھ تو۔ جلتا ہے وہ کیا اے نشترا
تیرا ہی تخیلِ تمنا نظر آتا ہے مجھے

عجب ایک راز ہیں ہم۔کوئی جانتا کہاں ہے
مری ابتدا کہاں ہے۔تری انتہا کہاں ہے
چلے دورِ جام ساقی! مئے غم رُبا کہاں ہے
یہ تو کوثر اُڑ رہا ہے۔ یہ گھٹا گھٹا کہاں ہے
شبِ انتظار تیری ہے نویدِ صبحِ عشرت
یہ تو جانِ زندگی ہے۔ یہ بلا بلا کہاں ہے
یہ ہے قلزمِ محبت۔ نہ کنارہ ہے نہ کشتی
تُو ہے نا خدا کا بندہ۔ ارے ناخدا کہاں ہے
جو ہے زندگی کا طالب۔ تو شہیدِ دوست ہو جا
رہِ منزلِ بقا ہے۔ یہ فنا فنا کہاں ہے

یہ ہے شیوۂ تغافل۔ یہ نظر کا ہے کرشمہ
یہ بلا بلا کہاں سے ہے۔ یہ قضا قضا کہاں ہے
یہ جہاں سے کون اُٹھا۔ کہ ہے نوحہ خیز صحرا
وہ کدھر ہے چاک داماں۔ وہ برہنہ پا کہاں ہے
تجھے خارزارِ وحشت میں سبک روی مبارک
یہ ہے خضرِ راہ نشتر! ترا نقشِ پا کہاں ہے

رُباعیات

رُباعیات

عالم کا وجود ذوالمنن کے دم سے
رونق ہے یہ سب شاہِ زمنؑ کے دم سے
دیوارِ عناصر کی بنا ہیں اصحابؓ
قائم ہیں حواس پنجتنؑ کے دم سے

کیا کہئے کہ ان آنکھوں سے کیا کیا دیکھا
ہر شے میں ترے حُسن کا جلوا دیکھا
بیہوش ہوئے حضرتِ موسیٰؑ جس سے
ہر ذرّے میں ہم نے وہ تماشا دیکھا

مدّاحِ نبیؐ تیرے حضور آیا ہے
اک سائلِ بخشش اے غفور آیا ہے
اِس سمت بھی رحمت کی نظر ہو جائے
اک بندۂ پُر عجز و قصور آیا ہے

کعبے میں صنم خانے میں جلوا تیرا
کافر بھی مسلمان بھی شیدا تیرا
راہیں تو جدا جدا ہیں۔ منزل ہے ایک
ہر رنگ میں ڈھنگ ہے نرالا تیرا

صد شکر کہ ساعتِ سعید آئی ہے
فردوس سے رحمت کی نوید آئی ہے
اللہ مبارک کرے ہر مُسلم کو
کس دھوم سے اب کے سال عید آئی ہے

"فانوس"[1] کا خیر مقدم

جالندھر کے افق سے چمکا "فانوس"
اردو کی آنکھ کا ہے تارا "فانوس"
پُر نور ہوئی علم و ادب کی دُنیا
ہے رشکِ چراغِ طُور گویا "فانوس"

دیکھو نکلا وہ آفتابِ عرفاں
مژدہ اے اہلِ علم و ذوق و وجداں
جس خاک سے حضرتِ گرامیؒ اُٹھے
اُس خاک سے "فانوس" ہوا نور فشاں

[1] اردو کا ادبی رسالہ جو مولانا محمد احمد خاں صاحب ذاکر جالندھر سے شائع کرنے والے تھے۔

خورشیدِ ادب فتح محمد خاں تھے
ذاکر اک چاند ہیں اُسی گردوں کے
"اُردو" کے مدیر وہ تھے "فانوس" کے یہ
کیوں مطلعِ اوج پر نہ اُردو چمکے

العظمۃ للہ یہ شانِ "فانوس"
ہر اہلِ نظر ہے قدر دانِ "فانوس"
اس کا ہر لفظ شمع بن کر چمکے
ضو پاش ہو ملک میں زبانِ "فانوس"

جب تک دُرِ شہوار سے پُر ہے قاموس
فیضانِ بہار سے ہے گلزار عروس
جب تک ہے چاند شمعِ قندیلِ فلک
روشن رہے یہ علم و ادب کا فانوس

متفرّقات

متفرقات

تلاشِ یار میں نکلے چمن سے بُو ہو کر
ہوئے ہم آپ ہی گُم محوِ جستجو ہو کر
جُنوں میں باغ کی دیوار پھاندنا کیا ہے
ہوا کے دوش پہ اُڑ جاؤں گا میں بُو ہو کر

دُرِ مقصود چشمِ آشنا سے کب نہاں نکلا
یمِ اُلفت کا قطرہ قطرہ بحرِ بیکراں نکلا

خدا جانے ہے کیا اِس خاک کے پُتلے کی ماہیت
طلسمِ حیرت آبادِ جہاں اِک چیستاں نکلا

یہ شانِ بندگی دیکھو کہ دل کا مدّعا ہم نے
جہاں دیکھا۔ وہاں پایا۔ جہاں ڈھونڈا۔ وہاں نکلا

جس بزم میں جا کے بیٹھتا ہوں
اُٹھتی ہیں صدائیں ہاؤ ہو کی
ہم یار سے ہو چکے ہیں واصل
موسیٰؑ نے تو صرف گفتگو کی

مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ کون ہوں میں۔ کیا ہوں میں
روضۂ پاکِ محمدؐ کا جبیں سا ہوں میں
حوریں آنکھوں پہ بٹھائیں گی مجھے جنّت میں
کفش بردارِ شہِ یثرب و بطحا ہوں میں

حرمِ دل میں مئے عشقِ نبیؐ پیتا ہوں

اک زمانے سے نرالی ہے عبادت میری

نہ ہو گلزارِ عالم میں کوئی یوں صیدِ ناکامی

بہار آئی تو بجلی گر پڑی میرے نشیمن پر

بنیں گے سرخیاں افسانۂ فرقت کی اے نشترؔ!

یہ جتنے قطرہائے اشکِ خوں ہیں میرے دامن پر

یتیمی مجھ پہ کیا اُتری گھٹائیں چھا گئیں دل پر
الم کی۔ یاس کی۔ اندوہ کی۔ حرماں کی۔ ماتم کی

اک ہم ہیں۔ رو رہے ہیں جو غربت میں زار زار
اک وہ ہیں۔ جو وطن میں ہوئے ہمکنارِ عید

اُس مہِ حُسن کی حاصل جو مجھے دید نہیں
پیش خیمہ ہے محرّم کا۔ مہِ عید[1] نہیں

---

[1] عید الاضحیٰ ؂

ٹھہر ٹھہر کہ ہوں مہمان میں بھی دم بھر کا
قریبِ ختم ہے اے شمع! داستاں میری

بزمِ سخن ہے بزمِ عزا صد ہزار حیف
دُنیا سے آج نشترِ جادو بیاں اُٹھا

ہاتھ اُٹھا۔ فاتحہ پڑھ۔ تُو بھی یہیں آئے گا
ارے او گورِ غریباں پہ گزرنے والے!

حسرتیں قبر سے لپٹی ہیں۔ ذرا دیکھ کے چل

مرمٹوں کا یہی لے دے کے نشاں باقی ہے

اکتوبر ۱۹۳۳ء

میں

عبدالحکیم خاں نشتر جالندھری پبلشر

نے

فیروز پرنٹنگ ورکس ۱۹ ایمرکلر روڈ لاہور

میں

باہتمام عبدالحمید خاں پرنٹر چھپوا کر

دفتر "نغمۂ زندگی" ۱۹ ایمرکلر روڈ لاہور سے

شائع کی۔